رمضان/شوال 1442 ہجری، مئی 2021ء

ماہنامہ
چشمِ بیدار
لاہور

جلد نمبر 15 شمارہ نمبر 5

سرپرست اعلیٰ

شیخ آصف احمد

0333-4851638

مدیر : ملک احمد سرور

آئینہ میگزین

1- اور رمضان بھی گزر گیا	اداریہ	3
2- سورۃ الشمس	سیّد قطب شہید	4
3- رذائل اخلاق	ڈاکٹر محمد شریف چودھری	9
4- تقرب الی اللہ	خواجہ محمد اسلم	11
5- مدینہ منورہ سے تبوک تک	ڈاکٹر عبداللہ محسن	16
6- عید مسرتوں کا دن	ذیشان احمد اعظمی	20
7- عید کا دن	مولانا عبدالماجد دریابادی	25
8- رمضان کے بعد	ابوالحسن علی حسنی ندوی	28
9- تزکیہ و تربیت	امام غزالی	34
10- ناپ تول میں کمی	ڈاکٹر عبدالرؤف مرحوم	37
11- اسلام میں محنت کشوں کا مقام	ملک احمد سرور	42
12- دو قابل رشک انسان	طالب الہاشمیؒ	47

Online: chashmebedar.blogspot.com

مجلس مشاورت

ڈاکٹر محمد شریف چودھری

نصرت الدین — خواجہ اعجاز احمد

ڈاکٹر سعید احمد ملک — ظفر اقبال بلوچ

بریگیڈیئر (ر) محمد حنیف

پتہ خط کتابت

ماہنامہ چشمِ بیدار

شانِ اسلام گرلز ہائی سکول بلڈنگ،
شفیق آباد نمبر-2 بند روڈ لاہور -54000

فون مدیر: 0321-8004446

Email:chashmibedar@gmail.com

زر تعاون : فی شمارہ 50 روپے

پاکستان ——— 500 روپے

برائے چیک / آن لائن

CHASHM-E-BEDAR
Account: 0207-0105184180
Meezan Bank, Urdu Bazar
Lahore.

پروف ریڈنگ

قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ کی پروف ریڈنگ میں بڑی احتیاط کی جاتی ہے، پھر بھی غلطی رہ جانے کا امکان ہے، اس پر ہم اللہ تعالیٰ سے معافی کے طلب گار ہیں۔ (ادارہ بیدار)

نوٹ:...... جریدے میں شامل تحریروں کے خیالات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔

ناشر ملک سرور نے ارشد عثمانی پرنٹرز سہیل سنگھ سٹریٹ 72 چیمبر لین روڈ لاہور سے چھپوا کر شانِ اسلام گرلز ہائی سکول بلڈنگ، شفیق آباد نمبر-2 بند روڈ لاہور سے شائع کیا

اداریہ

اور رمضان بھی گزر گیا............؟

نیکیوں کا موسمِ بہار ''رمضان'' گزر گیا ہے۔اس ماہ میں سحری وافطاری، صدقہ وخیرات، وعظ وتبلیغ اور ذکر واذکار کا خوب اہتمام ہوا، اعتکاف کے شہر بسے مگر مقصد صوم ''تقویٰ'' کے پھول کہیں کھلتے نظر نہ آئے۔موسم بہار آتا ہے تو ہر طرف رنگ برنگے پھول کھل اٹھتے ہیں اور فضا معطر ہو جاتی ہے۔ برسات میں ہر طرف پانی اور سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے۔موسم بہار میں پھول نہ کھلیں اور خوشبو نہ پھیلے تو اسے کوئی موسم بہار نہ کہے گا۔ برسات کے مہینوں میں گلی کوچے نالے نہ بنیں اور کھیت سرسبز وشاداب نہ ہوں تو اسے ''موسم برسات نہیں خشک سالی'' کا نام دیا جاتا ہے۔ روزوں کا بنیادی مقصد خالق کائنات نے کتابِ ہدایت قرآن مجید میں ''تقویٰ'' بتایا ہے۔تقویٰ وہ خوبی ہے جو معاشرے کے بیشتر افراد میں پائی جائے تو معاشرہ حسین بلکہ جنت نظیر نظر آتا ہے مگر پاکستانی معاشرہ تو رمضان کے بعد بھی جہنم زار بنا ہوا ہے، بالفاظِ دیگر پاکستانی قوم کو روزوں سے ''تقویٰ'' حاصل نہیں ہوا۔

اگر اس مہینے میں مسلمان صبح سے شام تک بھوکے پیاس رہیں، نمازیں پڑھیں، صدقہ وخیرات بھی کریں مگر تقویٰ حاصل نہ ہو تو پھر بھوکے پیاسے رہنے، نمازیں پڑھنے اور صدقہ وخیرات کرنے کا کیا فائدہ؟ روزہ، نماز اور صدقہ وخیرات کا منطقی نتیجہ ''تقویٰ'' نکلنا چاہیے مگر جب ہم اپنے اردگرد گلی محلوں اور بازاروں میں نظر دوڑاتے ہیں تو تقویٰ کے اثرات نظر نہیں آتے۔ جھوٹ، فریب، وعدہ شکنی، ملاوٹ، مہنگائی، غیبت، چغلی، تکبر وغرور، ذخیرہ اندوزی، دوسروں کی تذلیل وتحقیر، ریاکاری کون سی برائی ہے جو رمضان میں نہیں بڑھتی یا گیارہ مہینوں کی نسبت کم ہو جاتی ہے۔روزے کا پھل ''تقویٰ'' اسی صورت حاصل ہوسکتا ہے جب روزہ دار ممنوعات سے مکمل اجتناب کرے۔ مذکورہ بالا تمام برائیاں ممنوعات میں شامل ہیں۔آپ ایک جوان کو پھل، جوس، منرلز، وٹامنز، لحمیات، شہد، دیسی گھی غرض قوت فراہم کرنے والی ہر چیز کھلائیں مگر ساتھ معمولی سا زہر بھی دے دیں تو یہ زہر سب قوت بخش غذاؤں پر حاوی ہو جائے گا اور وہ اپنا اثر نہ دکھا پائیں گی۔ بالکل یہی معاملہ ممنوعات سے نہ بچنے والے روزے دار کے ساتھ پیش آتا ہے۔ یہ رمضان تو گزر گیا، من حیث القوم تو تقویٰ حاصل نہیں ہوا کیونکہ ہر برائی پہلے سے بڑھ کر ہے۔ ہر روزے دار کو اس امر کا جائزہ لینا چاہیے کہ وہ ممنوعات سے کیوں نہیں بچ پایا، بھوکا پیاسا رہنے کے باوجود ''تقویٰ'' سے کیوں محروم رہا؟ تاکہ اگلے سال اگر اللہ تعالیٰ رمضان نصیب کرے تو ممنوعات سے بچنے کی پہلے سے منصوبہ بندی بلکہ عادت موجود ہو۔**وما علینا الا البلاغ المبین**

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

سیّد قطب شہید

سورۃ الشمس

سورۃ الشّمس ایک نظر میں

یہ مختصر سی سورت جس کا قافیہ ایک ہے، جس کا اندازِ ترنم ایک ہے، اس میں متعدد وجدانی اشارات ہیں۔ یہ وجدانی اشارات، ان مظاہر قدرت اور مناظر فطرت سے نکلتے ہیں جن کے ساتھ اس سورت میں بات کا آغاز کیا گیا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ مناظر اس عظیم حقیقت کا فریم ہیں، جو اس سورت میں بیان کی گئی ہے۔ یہ کیا حقیقت ہے؟ یہ کہ نفس انسانی کی اصلیت کیا ہے؟ نفس انسانی کی فطری استعداد کیا ہے؟ انسان کا خود اپنے نفس کے بارے میں کیا کردار ہے اور اس نفس کے انجام کے سلسلے میں انسان کی ذمہ داری کیا ہے؟ یہ ہے وہ عظیم حقیقت جس کا ربط یہ سورت اس کائنات کے مشاہد اور دوسرے حقائق کے ساتھ قائم کرتی ہے۔ یوں یہ سورت اس کائنات کے فریم میں بات کرتی ہے۔ اس سورت میں قصہ ثمود کا بھی ذکر ہے، جس نے اپنے نبی کی صریح تنبیہات کو رد کر دیا اور نبی کی تکذیب کی۔ ناقۃ اللہ کو قتل کر دیا اور اس کے بعد اس قوم کو تباہ و برباد کر دیا گیا اور قوم ثمود کا قصہ ایک نمونہ ہے اس قوم کی ناکامی کا جو اپنے نفس کا تزکیہ نہیں کرتی۔ ایسی اقوام نفس کو فسق و فجور کے لیے آزاد چھوڑ دیتی ہیں اور خدا کا خوف ان کے نفوس سے غائب ہو جاتا ہے، اور اس بات کو سورت کے پہلے ہی پیراگراف میں بتایا گیا ہے۔

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا o وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ (91 : 10)

”یقیناً فلاح پا گیا جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو دبا دیا۔“

☆☆☆☆

﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا o وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا o وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا o وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا o وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا o وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا o وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا o فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا o قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا o وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا o﴾

(91 : تا 10)

”سورج اور اس کی دھوپ کی قسم، اور چاند کی قسم جب کہ وہ اس کے پیچھے آتا ہے، اور دن کی

قسم جب کہ وہ (سورج کو) نمایاں کر دیتا ہے، اور رات کی قسم جبکہ وہ (سورج کو) ڈھانک لیتی ہے، اور آسمان کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے قائم کیا، اور زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے بچھایا، اور نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا، پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی، یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔''

یہاں اللہ تعالیٰ جس طرح بعض کائناتی مخلوق اور بعض مظاہر کی قسم اٹھاتا ہے، اسی طرح نفس انسانی کی تخلیق اور متناسب بنانے اور اسے اچھی طرح ہموار کرنے اور نیک و بد کے الہام کی قسم اٹھاتا ہے۔ اور اس قسم اٹھانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ مخلوقاتِ خدا اہم بن جائیں، لوگ ان کو اہمیت دیں اور ان چیزوں پر غور وفکر کر کے معلوم کر لیں کہ ان کی اہمیت اور قدر و قیمت کیا ہے اور ان چیزوں کے اشارات کیا ہیں، ان میں نشانات قدرت کیا ہیں تا کہ وہ یہ بات سمجھ لیں کہ کن وجوہات سے اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم کھائی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ انسان کے دل اور ان مناظر فطرت کے درمیان ایک مکالمہ ہوتا ہے، ان دونوں کے درمیان ایک خاص خفیہ زبان ہے، یہ زبان گہرے انسانی شعور اور انسانی فطرت کی گہرائیوں میں موجود ہے۔ ان مناظر کے درمیان، خواہ وہ جیسے بھی ہوں، اور انسانی فطرت اور شعور کے درمیان ایک گہری ہم آہنگی بھی ہے۔ دونوں کے درمیان مکالمہ ہوتا رہتا ہے، بغیر اس کے کہ کوئی آواز نکلے یا ریکارڈ پر کوئی سوئی لگائی جائے۔ یہ مناظر دل سے بات کرتے ہیں اور انسانی روح کی طرف ان کے اشارات ہوتے ہیں، اور ان کے اندر ایک ایسی زندگی رواں دواں ہے جو ایک زندہ انسان کے ساتھ مانوس اور ہمکلام ہے۔ جب بھی ایک زندہ انسان ان مناظر سے دوچار ہو، تو ان مناظر میں اپنے لیے محبت اور انس کے جذبات جانے گا اور یہ مناظر نہایت ہی ہم آہنگی کے ساتھ اس کے ہمقدم ہوں گے اور اپنا پیغام اسے اپنی مخصوص زبان میں سگنل کر دیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید بڑی کثرت سے، مختلف اسالیب کے ذریعہ کائناتی مشاہد کی طرف انسان کی توجہ مبذول کراتا ہے اور اس سلسلے میں کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ کبھی تو قرآن مجید براہ راست یہ ہدایت دیتا ہے کہ ان مناظر فطرت پر غور کرو اور کبھی ضمنی اشارات کے ذریعہ جیسا کہ یہاں بعض تخلیقات اور بعض مناظر کی قسم اٹھا کر ان کی طرف یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ مناظر بھی آنے والے حقائق کے فریم ورک کے اندر ہی ہیں اور اس آخری پارے میں ہم نے اس بات کو بار

بارنوٹ کیا ہے کہ اس قسم کی ہدایات اور اشارات بہت زیادہ ہیں۔کوئی ایسی سورت نہیں ہے جس میں یہ ہدایت اور یہ اشارہ نہ ہو کہ ذرا کتاب کائنات کو پڑھو اور اس کائنات میں ہم آہنگی اور اشارات تلاش کرو، اور اس کائنات کے ساتھ اس مخصوص زبان میں مکالمہ کرو اور اس کے استدلال کو سنو۔

﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾ (91 : 1)

''سورج اور اس کی دھوپ کی قسم۔''

یہاں سورج اور اس کے وقت ضحیٰ اور چاشت اور دھوپ نکلنے کی قسم کھائی گئی ہے۔جب سورج نکلتا ہے اور اس کی دھوپ مکمل پھیل جاتی ہے تو اس وقت وہ نہایت ہی خوبصورت اور نہایت ہی اچھا بلکہ خوشگوار اور میٹھا ہوتا ہے اور سردیوں میں تو لوگ اس وقت دھوپ میں گرمی حاصل کرتے ہیں اور یہ وقت نہایت خوشگواری کا ہوتا ہے، اور گرمیوں میں بھی یہ اشراق کا وقت ہوتا ہے، خوبصورت ہوتا ہے اور دوپہر کی سخت گرمی سے قبل کا وقت ہوتا ہے، غرض چاشت کے وقت سورج اپنے مکمل حسن کے ساتھ جلوہ افروز ہوتا ہے۔بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ یہاں چاشت کے وقت سے مراد پورا دن ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ''ضحیٰ'' کے وقت اور لفظی مفہوم سے آگے بڑھ کر ہم کیوں پورا دن مراد لیں، کیونکہ چاشت کے وقت میں حسن اور خوش گواری کے زیادہ اشارات ہیں، جیسا کہ ہم نے پہلے کہا۔

﴿وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا﴾ (91 : 2)

''اور چاند کی قسم جو اس کے پیچھے آتا ہے۔''

یعنی یہ سورج کے بعد آتا ہے۔جب سورج غروب ہو تو پھر اس کا لطیف، شفاف، خوبصورت اور صاف نور نمودار ہوتا ہے۔انسانی قلب اور چاند کے درمیان قدیم رشتۂ محبت ہے، اور یہ رشتہ انسانیت میں دور تک گہرائیوں میں چلا گیا ہے۔انسانی نفسیات وضمیر میں، انسانی قلب وشعور میں یہ زندہ اور چمک دار نظر آتا ہے۔پھر چاند انسانی قلب کے ساتھ خوشگوار اور محبت آمیز مکالمہ بھی کرتا ہے، اور محبت بھرے اشارات بھی دیتا ہے، اور اس میں خالق کی حمد وثنا بھی ہے۔قریب ہے کہ ایک سننے والا انسان، روشن چاند کی حمد وثنا کو سنے۔بعض اوقات جب ایک حساس دل چاندنی رات میں سوچتا ہے تو وہ چاند کے اس گہرے نور اللہ کی برکت اور فیوض کو محسوس کرتا ہے، اور ان نورانی موجوں میں اپنے شعور کی میل دور کرتا ہے، اپنی پیاس بجھاتا ہے اور اس نور سے سینہ لگا کر وہ اللہ کے اس نور میں ڈوب جاتا ہے۔

﴿وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا﴾ (91 : 3)

''اوردن کی قسم جب وہ نمایاں کر دیتا ہے۔''

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ "ضُحٰهَا" سے مراد ایک محدود وقت ہے، پورا دن نہیں ہے اور جلا کی ضمیر شمس کی طرف راجع ہے جو اس سیاق کلام میں مذکور ہے لیکن یہاں سیاق کلام میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ مراد ''زمین'' ہے۔ قرآن کریم میں اس قسم کا اسلوب بارہا اختیار کیا گیا ہے کہ کوئی ضمیر کسی ایسی چیز کی طرف راجع ہو، جو اگرچہ سیاق میں مذکور نہ ہو، لیکن معہود فی الذہن ہو اور انسانی شعور میں ہر وقت حاضر ہو، یہاں سیاق کلام کا تقاضا یہ ہے کہ اس ضمیر کا مرجع زمین ہو۔ چنانچہ دن اس زمین کو روشن کر دیتا ہے اور لوگ اسے اچھی طرح دیکھتے ہیں۔ انسانی زندگی میں دن کا جو کردار ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ انسان کی حالت یہ ہے کہ دن اور رات کے مزے مسلسل لے لے کر وہ اس کا ذوق ہی بھول گیا ہے۔ چنانچہ یہاں گردش لیل ونہار کی ایک جھلک دکھا کر اس کی رعنائیوں کو قلب انسانی میں تازہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ انسان کے احساسات کو زندہ کر کے اور تیز کر کے اس کو اس منظر سے لطف اندوز کیا جائے۔

﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا﴾ (91 : 4) ''اور رات کی قسم جب وہ ڈھانک لیتی ہے۔''

یہاں لفظ یَغْشٰی ''ڈھانک لینا'' بمقابلہ جلّٰی ''نمایاں کرنا، روشن کرنا'' استعمال ہوا ہے، اس لیے کہ رات تمام چیزوں کو اپنے سینے سے لگا کر ڈھانپ لیتی ہے اور چھپا لیتی ہے۔ یہ ایک ایسا منظر ہے جو انسان کے دل کو بے حد متاثر کرتا ہے، اور انسانی زندگی پر جس طرح دن کے اثرات ہوتے ہیں، اسی طرح رات کے اثرات بھی ہوتے ہیں۔

اس کے بعد آسمان اور آسمان کی ساخت اور اس کی تعمیر پر قسم کھائی جاتی ہے۔

﴿وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا﴾ (91 : 5) ''اور آسمان کی قسم اور اس کے بنانے والے کی قسم۔''

مـا یہاں عربی گرامر کے لحاظ سے اپنے مابعد آنے والے فعل کو مصدر بنا دیتی ہے۔ آسمان سے ہم جو کچھ سمجھتے ہیں وہ ایک نیلگوں قبہ ہے جو ہمارے سروں پر ہے اور اس قبے کو جب ہم دیکھتے ہیں تو اس کے اندر ستارے اور سیارے بکھرے پڑے ہیں، اور سیارے اس کی فضاؤں اور مداروں میں پھرتے ہیں۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو اصل حقیقت ہم نہیں جانتے۔ ہم اپنے سروں پر جو چیز دیکھ رہے ہیں یہ ایک ایسی چیز ہے جس طرح ایک عظیم الشان عمارت ہو، باہم پیوستہ اور نہایت مضبوط۔ یہ عظیم ہال کس طرح بنا ہوا ہے اور اس کے اجزاء کس طرح باہم پیوست ہیں اور وہ بکھر نہیں رہے، اور ایک ایسی فضا میں تیر رہے ہیں جس کے نہ آغاز کا ہمیں علم ہے اور نہ انجام کا ہمیں علم ہے۔ یہی وہ چیز

ہے جس کی حقیقت ہم نہیں جانتے۔ اس آسمان کے بارے میں آج تک اہل علم نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ نظریات ہی ہیں اور وہ ترمیم اور ردقبول کرتے ہیں۔ یہ نظریات کسی دور میں بھی اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں رہے اور ہمیشہ قرار وثبات سے محروم رہے ہیں۔ ہمارا نظریہ اور ایمان سب سے مضبوط ہے کہ دست قدرت نے انہیں تھام رکھا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَ لَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ﴾ (35 : 41)

’’وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ڈھلکنے سے روکے رکھا ہے۔ اگر وہ ہٹ جائیں تو پھر اللہ کے سوا کوئی انہیں اپنی جگہ قائم نہ کر سکے۔‘‘ یہی وہ علم ہے جو نہایت مستحکم ہے، اس کے سوا یقینی بات کوئی اور نہیں ہے۔ (جاری ہے) (ترجمہ: سید عارف شیرازی)

☆......☆......☆

پروفیسر ڈاکٹر احمد سعید کا انتقال

پنجاب میڈیکل کالج فیصل آباد کے ڈیپارٹمنٹ آف فارنزک میڈیسن کے سابق ہیڈ، پاکستان اسلامک میڈیل ایسوسی ایشن کے سابق صدر، اسلامی جمعیت طلبہ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے سابق ناظم اور ماہنامہ بیدار کے بانیوں میں سے ایک بانی پروفیسر ڈاکٹر احمد سعید بروز جمعہ مؤرخہ 16 اپریل کی رات کو دارِ فانی سے کوچ کر گئے ....انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم نہایت خوش اخلاق اور جذبۂ خدمت خلق سے سرشار ایک درویش منش انسان تھے۔ سویت یونین کے خلاف جہادِ افغانستان میں بھی بطورِ ایک ڈاکٹر جنگی محاذ پر بھوکے پیاسے رہ کر انہوں نے بہت کام کیا۔ پاکستان میں افغان مجاہدین ومہاجرین کی مدد کے لیے ’’تحریک انصار المسلمین‘‘ قائم ہوئی تو اس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ ذیابیطس اور غذا کے موضوع پر انہوں نے ایک جامع کتاب بھی لکھی۔ ماہنامہ چشم بیدار کے سرپرست اعلیٰ شیخ آصف احمد، جامع شانِ اسلام کے جنرل سیکرٹری انجینئر عمار احمد ترین، مدیر ماہنامہ بیدار ملک احمد سرور اور ان گنت دیگر دوست احباب نے ان کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے ان کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے اور دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دین اسلام کے لیے خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے، آمین۔

ڈاکٹر محمد شریف چودھری

رذائلِ اخلاق

جواء

جواء کھیلنے کو قمار بازی بھی کہا جاتا ہے۔ جواء بازی کے لیے قرآن میں لفظ ''میسر'' آیا ہے، جس کا مطلب ہے کوئی چیز آسانی سے حاصل کر لینا یا کوئی مال یا چیز بغیر محنت کئے ہاتھ لگ جانا۔ بطور اصطلاح جوئے کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ کسی کھیل یا واقع پر شرط لگانا یا اس سے اتفاقاً مال جیت لینا یا مال ہار جانا۔ ایسے کھیل یا کام جواء ہیں جن میں مال حاصل کرنے کا انحصار حق یا خدمت یا عقل کے فیصلے کی بجائے محض اتفاق پر ہو جیسے لاٹری، انعامی سکیم، معمے کے حل، کھیل یا کرکٹ میں شروط وغیرہ۔ جواء بازی انسان کی ایک بہت بُری خصلت ہے جو زمانۂ قدیم سے ہر انسانی معاشرے میں کسی نہ کسی شکل میں رہی ہے۔ زمانۂ جہالت کے عربوں میں جواء عموماً فال گیری کی شکل میں رائج تھا یعنی دیوتاؤں کے نام پر تیر پھینکے جاتے تھے۔ پانسہ دار تیروں کے ذریعہ فال نکالتے تھے۔ آج کل لاٹری، انعامی سکیمیں، پرائز بانڈ، گھوڑ دوڑ وغیرہ جواء کھیلنے کے ذرائع ہیں۔

قرآن اور حدیث میں جوئے کی ہر قسم اور ہر شکل کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس میں شطرنج، چوسر اور نرد کھیلنے کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ قرآن (5:90-91) میں شراب، جواء اور بت اور پانسے، ان سب کو گندے شیطانی اعمال کہا گیا ہے اور ان سب سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ شیطان ان کے ذریعے مومنوں میں بغض اور عداوت ڈالتا ہے اور اُنہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتا ہے۔ قرآن (2:219) میں جوئے اور شراب کے نقصانات سے بھی آگاہ کیا گیا ہے جو ان کے معمولی اور وقتی فوائد کی نسبت بہت بڑے تباہ کن اور دائمی ہیں۔ اسلام نے شراب اور جوئے کی نہ صرف آخرت میں دوزخ کی شکل میں سزا سے خبردار کیا ہے بلکہ اس دنیا میں بھی انہیں قابل سزا جرائم میں شامل کیا ہے۔

اب ہم اس موضوع پر آیات قرآن اور احادیث نبوی ﷺ پیش کرتے ہیں۔

آیات قرآن

1: اے پیغمبر لوگ تم سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان میں نقصان بڑے ہیں اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں مگر ان کے نقصان فائدوں سے کہیں زیادہ

ہیں۔(البقرہ2:219)

2: اے ایمان والو! شراب اور جواء اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں۔سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہاری آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیئے۔(المائدہ5:90-91)

احادیث نبوی ﷺ

1: حضرت عبداللہؓ بن عمرو سے روایت ہے کہ بے شک نبی ﷺ نے شراب، جواء اور نرد کھیلنے اور غبیرا سے منع کیا ہے۔اور آپؐ نے فرمایا ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔(ابوداؤد)

2: حضرت عبداللہؓ بن عمرو سے ہی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا، جواء کھیلنے والا، احسان جتلانے والا اور ہمیشہ شراب پینے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔(دارمی)

3: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے شراب، جواء اور کوبہ کا بجانا حرام کیا ہے اور فرمایا ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ کہا گیا کہ کوبہ طبل ہے۔(بیہقی)

☆......☆......☆

بقیہ: اسلام میں محنت کشوں کا معاشرتی مقام

’’میں اپنے نفس کا خود ہی اکرام کرتا ہوں، اس لیے کہ اگر خود میں نے ہی اس کو ذلیل کر دیا تو واقعتاً میرے بعد کوئی اور اس کا اکرام نہیں کرے گا۔‘‘

اصمعی نے اس موچی سے پوچھا: تم یہ کام کر کے بھلا اپنے نفس کا اکرام کیسے کر رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں نے اس کا اکرام اس طرح کیا ہے کہ میں نے اس پیشے کے ذریعے اسے تم جیسے کمینے آدمی سے مانگنے سے بچا لیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے جاگیرداروں، سرمایہ داروں، سیاستدانوں اور بیوروکریٹوں کو نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کو پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق دے۔ جب تک معاشرے میں محنت کشوں کو عزت و تکریم نہیں ملے گی، یہ معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا۔ تکبر ترقی کی علامت نہیں، عدل و انصاف ترقی کی علامت ہے اور عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ محنت کشوں کو معاشرے میں عزت و تکریم کا مقام دیا جائے۔

خواجہ محمد اسلم (امیر تحریک رحمت)

تقرّب الی اللّٰہ

اللہ تعالیٰ کے قُرب و رضوان کا حصول، آئینۂ قرآن میں

کچھ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قُرب و رضوان کے حصول کے لیے ہم کو کسی انسانی وسیلے کی حاجت ہوتی ہے جس کے بغیر تقرب الی اللہ کا حصول ممکن نہیں ہے۔ دلیل کے طور پر وہ مندرجہ ذیل آیت کریمہ کا سہارا لیتے ہیں:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ وَجَاهِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِهٖ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ O﴾ (المائدہ 35:5)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی پرزور کوشش پوری رغبت کے ساتھ کرو (یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب و رِضوان کے حصول کی آرزو و جستجو کی خواہش پوری رغبت کے ساتھ پیدا کرو اور صراطِ مستقیم سے بھٹک جانے سے ڈرتے رہو) اور اللہ کی راہ میں (یعنی اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جدوجہد کرتے رہو) تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

اس آیت کریمہ میں موجود لفظ ''وسیلہ'' سے اردو زبان والے لوگ ذہنی التباس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ عربی کے اس لفظ کی تشریح کی جائے۔

یہ حقیقت نفس الامری ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں ایک جیسے الفاظ، ایک جیسے تلفظ کے ساتھ ملتے ہیں مگر اُن کے معانی ایک جیسے نہیں ہوتے لہٰذا جو زبان زیرِ مطالعہ ہو اُس کے الفاظ کے معانی معلوم کرنے کے لیے اُسی زبان کی لُغات دیکھنا یا Consult کرنا ضروری ہوا۔ زیرِ غور آیت کریمہ میں ایک لفظ ''وسیلہ'' استعمال ہوا ہے جو اردو زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا آیتِ کریمہ پر تفکر بِالحق یعنی قرآنِ حکیم کی روشنی میں غور و فکر کرنے سے پہلے لازم ہے کہ اس لفظ کے معنی عربی کی کسی مستند ڈکشنری سے معلوم کر لیے جائیں۔

عربی زبان میں ہر لفظ ایک جڑ (Root) رکھتا ہے جس سے وہ وجود پذیر ہوتا ہے۔ اس جڑ کو ''مادہ'' کہتے ہیں۔ عربی لغات میں الفاظ بہ ترتیب تہجی یعنی Alphabetically نہیں ملتے، بلکہ ہر لفظ اپنے مادہ کی تختی میں موجود ہوتا ہے۔ عربی لغت دیکھنے سے پہلے معلوم ہونا چاہیے کہ زیرِ بحث لفظ

کا مادہ کیا ہے۔ یہ مادہ جات ہیں جو عربی لغت میں بہ ترتیب تہجی موجود ہیں۔ زیرِ بحث لفظ ''وسیلہ'' کا مادہ ''وس ل'' ہے۔

قُرآنِ حکیم کے الفاظ کی قابلِ ذکر لغات میں سے ایک ''المفردات القرآن'' ہے جو امام راغب اصفہانی نے چوتھی صدی ھجری کے دوران مرتب کی۔ اس لغت میں ''وس ل'' کے مادہ میں عربی لفظ وسیلہ کے معنی موجود ہیں جو درج ذیل ہیں:

["الوسیلَۃُ" کے معنی کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنے کے ہیں۔

"وَصیلَۃُ" کے معنی کسی چیز تک پہنچنا اور " وَسِیلَۃُ" کے معنی کسی چیز تک رغبت کے ساتھ پہنچنا ہے۔ درحقیقت ''توسل الی اللہ'' علم وعبادت اور مکارمِ شریعت کی بجا آوری سے طریقِ الٰہی کی محافظت کرنے کا نام ہے اور یہی معنی ''تقرب الی اللہ'' کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والے کو ''واسل'' کہا جاتا ہے۔]

بے جا نہ ہوگا کہ یہاں اردو ڈکشنری سے بھی لفظ وسیلہ کے معنی دریافت کر لیے جائیں جو ہمارے ہاں مُروّج ہیں اور وہ یہ ہیں:

ذریعہ، واسطہ، سہارا، مدد، حمایت

قُرآنِ حکیم کی آیت نمبر الفرقان 33:25 کی رُو سے تمام آیات کی سب سے بہتر تفسیر قُرآنِ حکیم خود کرتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت المائدہ 35:5 کی تفسیر قُرآنِ حکیم سے معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ مندرجہ ذیل آیات کو ہمہ وقت پیشِ نظر رکھا جائے:

1: قُرآنِ حکیم میں کوئی اختلاف وتضاد نہیں۔ (النساء 82:4)

2: قُرآنِ حکیم کی کسی آیت کو تسلیم کرنا اور کسی کو نہ کرنا کفر ہے۔ (البقرہ 85:2)

زیرِ تفسیر آیت میں چار الفاظ ایسے ہیں جن پر تفکر بالحق کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے معانی عربی کی ڈکشنری سے معلوم کر لیے جائیں:

1۔ تقویٰ

یہ قُرآنِ حکیم کی ایک اہم اصطلاح ہے جس کے معانی میں مثبت اور منفی دونوں مفہوم پائے جاتے ہیں، یعنی حق وصداقت، رشد وہدایت اور رضائے الٰہی کی طلب وجستجو اور باطل وکِذب اور اللہ تعالیٰ کے قانونِ مکافاتِ عمل کا خوف۔

مثبت مفہوم

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَاO فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا Oقَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا O وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَاO﴾ (الشمس 7:91 تا 10)

اور شاہد ہے نفسِ انسانی اور وہ (ذاتِ اقدس) جس نے اسے موزوں بنایا پھر اس میں حدود اللہ سے تجاوز کر جانے کا داعیہ اور آرزوئے ہدایت وخشیت گمراہی کا عرفان ودیعت کر دیا۔ فلاح پا گیا وہ جس نے تزکیہ کر لیا (یعنی اپنے نفس کی تطہیر و تحسین کر کے ہدایت پا کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہو گیا) لیکن وہ ناکام ونامراد ہوا جس نے (اپنی خواہشات کے تلے) اسے دبا دیا۔

فجور کے معنی اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ حدود سے تجاوز کرنے اور صراطِ مستقیم کے بجائے ٹیڑھی ترچھی راہیں اختیار کرنے کے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں فجورھا کو تقوٰھا کے مقابل استعمال کر کے قُرآنِ حکیم نے تقویٰ کی حقیقت کو اجاگر کر دیا ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم قرآنِ حکیم اور اُسوۂ حسنہ سے دور ومہجور ہو چکے ہیں اور ہمارے نیم خواندہ علما ہمیں بتاتے ہیں کہ اگر ہم نماز روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ قائم کر لیں تو سمجھئے کہ مقصدِ حیات پورا ہو گیا اور ہم وارثِ جنت ہو گئے۔ اصل یہ ہے کہ ہم پر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اس لیے فرض کیے گئے ہیں کہ ہم متقی بن جائیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَO﴾ (البقرہ 21:2)

''اے لوگو! اپنے رب کے احکام وقوانین اور ہدایات وتعلیمات پر عمل کرو، جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو تخلیق کیا، تا کہ تم متقی بن جاؤ۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَO﴾ (البقرہ 183:2)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تا کہ تم متقی بن جاؤ۔''

ربِّ رحمٰن نے قُرآنِ حکیم کے آغاز میں آشکار کر دیا کہ یہ عظیم کتاب متقیوں کو راہِ راست کی طرف ہدایت دیتی ہے یعنی منزلِ مقصود کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ استنباط ہوا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ منزلِ مقصود نہیں بلکہ منزلِ مقصود تک پہنچنے والی راہ کا نقطۂ آغاز ہے۔ اس سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوتی ہے کہ کیوں ہر نبی وپیغمبر علیہم السلام نے دعوتِ حق دیتے وقت کہا:

﴿اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ O فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوۡنِ O ﴾

(الشعراء 26:107-108)

''یقیناً میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور اپنے فرائض دیانتداری سے ادا کر رہا ہوں۔تم متقی بن کر میری پیروی کرو۔''

2۔ابتغو: یہ لفظ خاص کوشش کے ساتھ کسی چیز کو طلب کرنے پر بولا جاتا ہے۔(المفردات القرآن)

3۔وسیلہ: اس لفظ کے معنی ہم معلوم کر چکے ہیں۔

4۔جاھدو فی سبیلہ : دین اسلام (یعنی اسلامی نظامِ زندگی) کے نفاذ کے لیے تن مَن دَھن کے ساتھ جِدّ وجُہد کرنا۔ان معانی کا استخراج مندرجہ ذیل آیت سے ہوتا ہے:

﴿وَ جَاھِدُوۡا فِیۡ اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ھُوَ اجۡتَبٰکُمۡ وَمَا جَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِیۡ الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ مِّلَّۃَ اَبِیۡکُمۡ اِبۡرٰاھِیۡمَ O﴾ (الحج 22:78)

(مُسلمانو!) اللہ کی راہ میں ایسی سعی وجُہد کرو جیسا کہ سعی وجُہد کرنے کا حق ہے، یعنی نظامِ اِسلام کے قیام وبقا کے لیے تن، من، دھن کے ساتھ حتّی المقدور مساعیءِ جمیلہ کرنا تُم پر لازم ہے۔(اس لیے کہ) اِس کام کے لیے اُس نے تمھیں مُنتخب کرلیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا یہ دین یا نظامِ زندگی تمہارے لیے بارِگراں نہیں ہے۔یہ تُمہارے باپ ابراہیمؑ کا دین ہے۔

قُرآنِ حکیم اپنے تلمیذ سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ قُرآن فہمی کے لیے مخلص ہو جائے۔دوسرے لفظوں میں، اپنے ذہن کو اُن تمام نظریات واعتقادات اور جذبات وتعصّبات سے خالی کرلے جو اس میں پہلے سے موجود ہیں۔خالی الذہن ہو کر قُرآنِ حکیم کے بیان کردہ حقائق میں غور وفکر کرے اور فقط انہیں کو تسلیم بالیقین کرلے (دیکھیے الزّمر 39:2)۔(اس کو تفکر بالحق کہتے ہیں)

لفظ وسیلہ کو اردو والے معانی میں لیا جائے تو درجِ ذیل آیات کی نفی ہوتی ہے جو کُفر ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ لَعَلَّھُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ O﴾ (البقرہ 2:186)

''اور (اے میرے حبیبؐ!) جب میرے بندے آپؐ سے میرے متعلق دریافت کریں (تو انہیں بتا دیجیے کہ) میں تو اُن کے قریب ہوں جب کوئی میرا بندہ مجھے (مدد کے لیے) پکارتا ہے تو میں اُس کی پکار کو سنتا ہوں، قبول کرتا ہوں اور اُسے جواب بھی دیتا ہوں؛ لہٰذا اُن پر لازم ہے کہ میری دعوت کو تسلیم بالیقین کریں (یعنی قُرآنِ حکیم کے احکام وقوانین اور

ہدایات وتعلیمات پر مکمل عمل کریں) اور یقین رکھیں کہ اس کے نتیجے میں وہ راہِ راست پالیں گے اور کامیاب وکامران ہوں گے۔ ''

﴿وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِO﴾ (ق 16:50)

اور ہم اُس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں۔ (اور دیکھیے یونس 18:10

ربِّ کائنات کا ارشاد ہے:

﴿ وَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعۡنَا سَادَتَنَا وَکُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوۡنَا السَّبِیۡلَا O﴾

(الاحزاب 67:33)

(مشرک جب الٹے منہ جہنم میں دھکیلے جائیں گے) وہ اس واقعیت کا اقرار کریں گے کہ ہم اپنے سادات اور اکابرین کا کہا مانا کرتے تھے، نتیجتاً، ہم پر صراطِ مستقیم یعنی جنت کو جانے والی راہِ راست گُم کردی گئی۔

﴿اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَہُمۡ وَرُہۡبَانَہُمۡ اَرۡبَاباً مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَالۡمَسِیۡحَ ابۡنَ مَرۡیَمَ ۚ وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡۤا اِلٰہاً وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰـہَ اِلَّا ہُوَ ؕ سُبۡحٰنَہٗ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ O﴾ (التوبہ 31:9)

وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مشائخ یا علماء (Priests) اور راہبوں (Monks) کو اپنے اَن داتا اور خُدا بنا لیتے ہیں، نیز مریمؑ کے بیٹے مسیحؑ کو بھی، حالانکہ انہیں حُکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف معبودِ یکتا (یعنی اللہ تعالیٰ) کی اطاعت وفرماں برداری کریں۔ (حقیقت یہ ہے کہ) اس کے سوا کوئی معبود و حاکم اور مُطاع ہے ہی نہیں۔ ایسی تمام باتیں شرک کا حصہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ وراءالورا ہے۔

(حدیثِ نبوی ﷺ) حضرت عدی بن حاتمؓ جو پہلے عیسائی تھے، رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ مذکورہ بالا آیات میں ہم پر اپنے علما اور درویشوں کو اپنا رب بنا لینے کا جو الزام عائد کیا گیا ہے، اُس کی حقیقت کیا ہے، ہم اُن کی عبادت تو نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا ایسا نہیں ہے کہ جس بات کو وہ حرام ٹھیرا دیتے ہیں تم حرام سمجھ لیتے ہو اور جس بات کو حلال قرار دیتے ہیں حلال مان لیتے ہو؟'' عرض کیا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہی تو اُن کی عبادت کرنا ہے'' (ترمذی، البیہقی)

آپ کا جادہءِ حق چھوڑ کے بھٹکے ایسے
''ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے''

ڈاکٹر عبداللہ محسن

مدینہ منورہ سے تبوک تک

گزشتہ سے پیوستہ..................

مسجد قبلتین

فجر کی نماز پڑھ کر مسجد نبوی سے نکلیں تو ٹیکسی والے ''زیارت زیارت'' کی آواز لگا رہے ہوتے ہیں۔ دس یا پندرہ ریال فی سواری لے کر وہ کئی جگہوں پر لے جاتے ہیں۔ زائرین کے لیے مدینہ کے مختلف مقامات دیکھنے کا یہ واحد موقع ہوتا ہے، وگرنہ ان کا زیادہ وقت مسجد اور اس کے آس پاس ہی گزر جاتا ہے۔ زیارتوں میں دو مشہور جگہوں جنت البقیع اور مسجد قبا کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

تاریخی مسجد 'مسجد قبلتین' کا تعلق اس واقعے سے ہے جب اللہ کے حکم سے مسلمانوں نے اپنا قبلہ بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف کر لیا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ یہ واقعہ دو ہجری میں پیش آیا۔ اسی سال میں روزہ اور زکوٰۃ فرض ہوئی اور پھر غزوۂ بدر کا معرکہ بھی ہوا۔ یہ محض سمت کی تبدیلی نہ تھی بلکہ اس بات کا اعلان تھا کہ بنی اسرائیل کو دنیا کی قیادت سے معزول کر کے اب امت محمدیہ (ﷺ) کو یہ منصب عطا کیا جا رہا ہے۔

مسجد قبلتین بئر رومہ کے پاس واقع ہے۔ اس کو عثمانی سلطان سلیمان اعظم نے 1543 عیسوی میں از سر نو تعمیر کروایا۔

تحویل کعبہ کا واقعہ ایسے پیش آیا کہ رسول اللہ (ﷺ) ایک صحابی کے گھر دعوت پر گئے ہوئے تھے۔ ظہر کا وقت ہوا تو سب نے قریبی مسجد میں نماز ادا کی۔ دو رکعتیں پڑھ چکے تھے کہ تیسری رکعت میں تحویل کعبہ کا حکم نازل ہوا اور آپ (ﷺ) نے فوراً ہی اپنا رخ کعبہ کی طرف کر لیا۔ بیت المقدس مدینہ کے شمال میں ہے اور مکہ جنوب میں واقع ہے، لہٰذا رسول اللہ (ﷺ) نمازیوں کے سامنے سے ہوتے ہوئے ان کے پیچھے تشریف لے گئے اور صحابہ کرامؓ نے بھی اپنا رخ تبدیل کرنے کے لیے صفوں کو دوبارہ سے ترتیب دیا۔

اس کے بعد مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں منادی کرا دی گئی کہ نماز میں اپنا رخ مکہ کی جانب کر لیں۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر 144 میں یہ حکم نازل فرمایا گیا۔ بعد ازاں سفر کے بارے میں بھی حکم آیا

کہ نماز کے دوران کعبہ کی طرف رخ کیا جائے۔

جس مسجد میں تحویل کعبہ کا واقعہ پیش آیا اس کو مسجد قبلتین (دو قبلوں والی) کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں دونوں طرف رخ کر کے نماز پڑھی گئی۔ صبح کے اوقات میں زائرین اس میں کعبہ کی طرف نفل نماز پڑھتے ہیں۔ اگر اپنی گاڑی ہو تو یہاں پر فرض نماز میں بھی شرکت کی جاسکتی ہے۔ اس تبدیلی سے مرکز ابراھیمی کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ مسجد کی موجودہ توسیع شاہ فہد بن عبدالعزیز کے دور میں ہوئی۔

مسجد ابوبکر (رضی اللہ عنہ)

مدینہ جانے والے زائرین میں سے کم لوگوں نے اس مسجد کو دیکھا ہوگا۔ مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گیٹ نمبر 6 سے باہر نکلیں تو یہ دائیں ہاتھ ایک سو میٹر کے فاصلے پر موجود ہے۔ گیٹ نمبر 7 سے بائیں ہاتھ ہوٹلوں کی پہلی قطار کے پیچھے واقع ہے۔ یہ جگہ دراصل دور نبوی میں عید گاہ تھی۔ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس جگہ پر عید کی نماز ادا کی اور عید کا خطبہ دیا۔ ایک روایت کے مطابق آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس جگہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ بھی ادا فرمائی۔ مسجد نبوی کی توسیع ہوتے ہوتے یہ جگہ اس کے موجودہ صحن کے پاس پہنچ گئی ہے۔

اس مقام پر حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے مسجد تعمیر فرمائی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ عنہ) کے دور میں بھی اس جگہ عید کی نماز ادا کی گئی کیونکہ اس وقت یہ جگہ مدینہ کی آبادی کے نواح میں تھی۔ عثمانی سلطان محمود ثانی کے دور 1254 ہجری میں اس کی دوبارہ تعمیر کی گئی۔ اکیسویں صدی میں اس کی مرمت کی گئی۔ سید عبدالمجید بکر نے اپنی کتاب ''اسلام کی مشہور مسجدیں'' میں اس مسجد کی تفصیل بیان کی ہے۔

مسجد دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک بڑا ہال اور اس کے باہر کھلے حصے میں ایک دیوار موجود ہے۔ اس کا ایک دروازہ مسجد غمامہ کی طرف کھلتا ہے۔ مسجد کے اندر ستون موجود نہیں ہیں اور اس کا گنبد خاص انداز کا بنا ہوا ہے۔ اس کی مشرقی دیوار پر سیاہ پتھر لگایا گیا ہے۔ گنبد اور مینار سفید رنگ کے ہیں، جبکہ باقی مسجد سفید اور سیاہ رنگ کا حسین امتزاج ہے۔

اس مسجد میں جمعہ کے علاوہ باقی نمازیں ہوتی ہیں لیکن اس کا بیرونی لاؤڈ سپیکر استعمال نہیں کیا جاتا۔ اس لیے عام طور پر اس بات کا اندازہ نہیں ہوتا کہ مسجد کھلی ہے۔ آس پاس کچھ کھلی جگہ ہے جہاں چھوٹے درختوں کے نیچے سیٹیں لگا دی گئیں ہیں۔ اس سے آگے نکلیں تو کھجوروں کی مارکیٹ آجاتی ہے، جو مدینہ کی خاص سوغات ہے۔ کورونا کے دنوں میں گاہک نہ ہونے کی وجہ سے عجوہ کھجور

دس ریال کلو مل رہی ہے جبکہ عام طور پر یہ پچاس ریال (دو ہزار پاکستانی روپیہ) کلو سے زیادہ ہی ملتی ہے۔

دو تاریخی مسجدیں

مسجد نبوی (ﷺ) کے جنوب مغربی جانب مناکہ کا علاقہ ہے۔اس طرف گیٹ نمبر 6 قریب پڑتا ہے اور کئی تاریخی مقامات موجود ہیں۔

مسجد عمرؓ بن خطاب

مسجد نبوی سے نصف کلومیٹر دور اس مسجد کو دوسرے خلیفہ اسلام کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔اس کا طرز تعمیر قدیم اور منفرد ہے۔

مسجد غمامہ

مسجد ابوبکر کے قریب ہی یہ مسجد واقع ہے۔اس کا فاصلہ اب مسجد نبوی سے 150 میٹر ہے۔اس جگہ پر رسول اللہ (ﷺ) نے نماز استسقاء ادا فرمائی اور بارش کے لیے دعا کی۔طرز تعمیر مسجد ابوبکر سے ملتا ہے۔باہر سفید اور سیاہ پتھر لگایا گیا ہے۔تاریخی مسجد کا گنبد اور مینار سفید رنگ کا ہے۔اس کو آثار قدیمہ کے طور پر قائم رکھا گیا ہے۔قریب کھجوروں کی مشہور مارکیٹ ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔اگر زیادہ مقدار میں خریدنی ہوں تو مدینہ کی فروٹ منڈی سے بڑے ڈبے خرید سکتے ہیں جو یہاں سے تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔گیٹ نمبر 7 سے ڈبل روڈ پر تھوڑا آگے جائیں تو رنگ روڈ کا پل آجاتا ہے۔اس کے نیچے سے کراس کر کے کئی پاکستانی ریسٹورنٹ مل جاتے ہیں جہاں گرما گرم کھانوں سے لطف اندوز ہوں۔ناشتہ میں پراٹھا اور حلوہ ملتا ہے۔پاکستانی مٹھائیوں کی دکان بھی موجود ہے۔ہر مٹھائی کے تھال پر dateExpiry لکھی ہوتی ہے۔یہاں صرف تازہ مٹھائی ہی بیچ سکتے ہیں۔سستے کمرے بھی اس علاقے میں مل جاتے ہیں۔گیٹ نمبر 8 اور 9 کے قریبی میدان میں چھوٹے سٹالوں کا بازار لگتا ہے جہاں تحفہ دینے والی چیزیں سستے داموں مل جاتی ہیں۔

بس ٹور

مسجد نبوی (ﷺ) کے قریب کی زیارتوں کی سیر ہم نے کر لی ہے۔فاصلے والی جگہوں کے لیے بس ٹور کا انتظام ہے۔بس ہر آدھے بعد چلتی ہے اور ٹکٹ خریدنے کے ٹائم سے لے کر 24 گھنٹے تک کے لیے کارآمد رہتا ہے۔اس دوران آپ کسی بھی بس میں کسی سٹاپ سے بیٹھ سکتے ہیں۔بس کے کل

11 سٹاپ ہیں اوراس کا کرایہ 50 ریال (13 ڈالر) فی کس ہے۔سعودی عرب آنے سے پہلے آن لائن ٹکٹ لیں گے تو وہ مہنگا پڑتا ہے۔

اس بس میں 16 زبانوں میں رہنمائی کا انتظام موجود ہے۔آپ کو مختلف جگہوں کی معلومات دی جاتی ہیں۔موسم کے حساب سے آپ اپنے ٹور کے اوقات کا تعین کر سکتے ہیں۔بس چلنے کے اوقات گرمیوں میں صبح 4 سے دوپہر 12 بجے اور شام 4 سے رات 12 بجے تک کے ہیں۔سردیوں میں صبح 6 سے 12 بجے دوپہر اور شام 4 سے رات 12 بجے تک ہیں۔رمضان میں یہ بس صبح 5 سے 11 بجے دوپہر اور رات 9 سے صبح 3 بجے تک چلتی ہے۔یعنی سحری کے وقت تک سیر کر سکتے ہیں۔ان جدید بسوں میں وائی فائی بھی موجود ہے۔آپ اپنے سفر کی وڈیو اپنے دوستوں کو براہ راست دکھا سکتے ہیں۔

بس آپ کو مسجد قبا اور مسجد قبلتین لے جاتی ہے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔اس کے علاوہ مقام شہدائے احد، الحجاز ریلوے میوزیم، مقام المناکہ (جہاں مسجد ابوبکر اور مسجد غمامہ ہیں)، کھجور مارکیٹ، النور مال، سلطانہ بازار بھی لے جاتی ہے۔زیارتوں کے ساتھ شاپنگ بھی ہوتی رہتی ہے۔ان تمام جگہوں کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔اس کے علاوہ غزوۂ بدر اور غزوۂ خندق کے مقامات اور المدینہ میوزیم (دار المتحف المدینہ) کی سیر بھی اگلی قسط میں کرائی جائے گی۔

بس کے سفر کو آسانی کی خاطر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ایک وقت میں پہلا حصہ دیکھ لیں۔کھانے اور آرام کے بعد بقیہ مقامات کی زیارت کر لیں۔سفر کا پہلا نصف حصہ گرین روٹ اور بقیہ نصف حصہ کو ریڈ روٹ کا نام دیا گیا ہے۔ان جگہوں پر تحفہ دینے کے لیے میڈ ان مدینہ اور میڈ ان سعودیہ یعنی مدینہ اور سعودیہ کی بنی ہوئی اشیاء بھی مل جاتی ہیں۔میری کوشش ہوتی کہ یہی تحفے خریدے جائیں۔(جاری ہے)

☆......☆......☆

ذیشان احمد اعظمی

عید مسرتوں کا دن

اسلام دین فطرت ہے۔اس میں انسانی فطرت اور طبعی تقاضوں کا پورا پورا خیال ولحاظ رکھا گیا ہے بلکہ یوں کہیے کہ اسلامی تعلیمات واحکام فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں۔جن امور پر انسان بخوشی وبسہولت عمل پیرا ہوسکتا ہے، خالق کائنات نے انہی چیزوں کا حکم دیا ہے اور جن باتوں کو فطرت سلیمہ ناپسند کرتی ہے انہیں منع کیا۔اور اگر تھوڑا سا غور وفکر سے کام لیں تو یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں انسانی جذبات اور طبعی خواہشات کا بھی پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔مذہب اسلام کسی بھی انسانی جذبہ اور طبعی خواہش کو مٹانے اور پامال کرنے نہیں آیا بلکہ جذبات وخواہشات کی تکمیل کا حل بتایا۔حدود وقیود بتا کر دائرہ مقرر کیا تاکہ انسان اسی دائرے میں رہ کر اپنے جذبات کی تسکین اور خواہشات کی تکمیل کر سکے۔

فطری جذبہ

بزم مسرت سجانا، خوشیاں منانا، کھیلنا کودنا انسان کا فطری جذبہ اور طبعی ذوق ہے۔اسلام نے ان فطری جذبات پر بندش لگانے کے بجائے اس کو صحیح راستہ پر لگایا ہے تاکہ فطری خواہش بھی پوری ہوجائے اور اس کا عمل طاعت وعبادت بھی بن جائے۔اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں اہل مدینہ دو دن سال میں خوشیاں مناتے تھے یعنی آزاد ہوکر اپنے جذبات کی تسکین کے لیے کھیلا کودا کرتے تھے۔اسلام نے اپنے مزاج کے مطابق ان کے جذبات کو کچلا اور خواہشات کو پامال نہیں کیا بلکہ ان کی اصلاح فرمادی اور اسے خوبصورت وحسین رنگ وروپ دے کر دین اسلام کا جز بنادیا اور دین حنیف کے رنگ میں ڈھال دیا، جو پہلے معصیت تھی اب اسلامی سانچے میں ڈھل کر عبادت بن گئی۔ وہی کھیل کے دو دن عبادت کے دو دن بن گئے۔صرف تھوڑی سی تبدیلی صاحب شریعت نے کی یعنی انسان ان دنوں اپنے جذبات کی پیاس بجھانے کے لیے خوشیاں منائے، کھائے پیے دیگر طریقے سے مسرت کا اظہار کرے لیکن اپنے مولیٰ اور پالنہار کو نہ بھولے۔اس کے بتائے ہوئے حدود وقیود کے اندر ہی رہے تجاوز کی کوشش نہ کرے۔سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”عن انس قال قدم رسول الله ﷺ المدينة ولهم يومان يلعبون فيهما فقال ما هذان اليومان قالوا كنا نلعب فيهما فى الجاهلية

فقال رسول الله ﷺ ان الـله قد ابدلکم بهما خیرًا منهما یوم الفطر ویوم الاضحیٰ ."

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے اور اہل مدینہ کے لیے سال میں دو دن تھے جس میں وہ کھیلا کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے دریافت کیا: یہ دو دن کیسے ہیں تو ان لوگوں نے کہا: زمانہ جاہلیت میں ان دو دنوں میں ہم کھیلا کودا کرتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کے بدلے میں اس سے بہتر دو دن عطا کیے ہیں، یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ۔''

اسلام کی پہلی عید

یہ تہوار جو مسلمانوں کا ایک خاص مذہبی اور دینی تہوار ہے، ابن حبان کے قول کے مطابق ہجرت کے دوسرے سال جب نبی کریم ﷺ بدر کی شاندار فتح کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے تو اس کے آٹھ دن بعد منایا گیا کیونکہ رمضان کے روزے اسی سال شعبان میں فرض ہوئے تھے۔

ہمارا اور غیروں کا تہوار

اس روئے زمین پر بسنے والی ہر قوم کے لیے (خواہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والی ہو کسی بھی عقیدے اور نظریے کی قائل ہو) کچھ ایسے مخصوص ایام ہوتے ہیں جس میں وہ لوگ خوشیاں مناتے ہیں، محفلیں سجاتے ہیں، بزم آرائیاں کرتے ہیں۔ ان کا تہوار ان کے عقائد و نظریات، تہذیب و تمدن اور مذہبی اخلاق و کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ہم کسی بھی قوم کے تہوار اور انداز جشن کو دیکھ کر اس کی مذہبی تعلیمات اور تمدنی معیار کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہمارے پاک و ہند میں بہت سی قومیں ہیں، لہٰذا بہت سے تہوار بھی منائے جاتے ہیں۔

ان تہواروں میں شراب نوشی، قمار بازی لازمی جزء کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے بغیر صرف یہی نہیں کہ ان کے تہوار نامکمل تصور کیے جاتے ہیں بلکہ ان خرافات کے بغیر ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہ جاتی ہے۔ شرم و حیاء کی چادر اتار پھینکتے ہیں۔ لہو و لعب، عیاشی و فحاشی اور گھناؤنی حرکات پر مشتمل یہ تہوار منائے جاتے ہیں۔ کفر و شرک کی گندگی نمایاں رہتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام کی عید ظاہری و باطنی، جسمانی و روحانی نجاست و گندگی سے پاک ہوتی ہے۔ جوش میں بھی ہوش باقی رہتا ہے۔ بے پناہ خوشی کے موقع پر بھی مالک کی عبادت اور ابنائے جنس کی رعایت کا پورا پورا اہتمام ہوتا ہے۔ بلکہ ان امور میں اور زیادتی ہی ہو جاتی ہے۔ غور فرمائیں عام دنوں میں تو پانچ وقت کی نماز، مگر عید کے

دن چھ وقت کی نماز۔ لیجیے ایک نماز (دوگانہ) اور بڑھ گئی۔ مولیٰ کی یاد میں زیادتی ہوگئی، تعلق میں اضافہ ہوگیا، اس کے سامنے جھکنا اس کی قدرت اور اپنے عجز کا اظہار زیادہ ہونے لگا۔ حکم ہوتا ہے: بغیر صدقہ فطر ادا کیے عید گاہ جانا نہیں۔ غور کیجیے! انسانیت زندہ ہورہی ہے، ہمدردی و غمگساری کا شاندار مظاہرہ ہے، صرف تمہاری خوشی سے تمہارا تہوار نہیں ہوگا بلکہ غریب و مسکین بھی خوشی منائیں۔ مالک کے حکم کے مطابق بندۂ مومن نے عید الفطر کے لیے غسل کیا، عمدہ لباس زیب تن کیا، خوشبوئیں لگائیں۔ مسلمان خوشی منانے نکلا تو اس شان سے کہ ہر شخص کی زبان سے "الـلـه اكبر الله اكبر لا الـه الا الـله والله اكبر الله اكبر ولله الحمد" کا ترانہ جاری ہے۔ عید گاہ پہنچ گیا، تسبیح و تہلیل جاری ہے، اپنے مولیٰ کے سامنے جھکتا ہے، سجدہ کرتا ہے، حمد و ثنا کرتا ہے۔

غور کیجیے! اس میں نہ شور ہے نہ شر، نہ ہنگامہ آرائی ہے نہ میلوں ٹھیلوں کی برائی، بلکہ رفتار میں تواضع ہے، گفتار میں نرمی ہے، ملنے والوں کا اکرام واحترام ہے۔ ایک دوسرے سے مل کر راحت و سکون حاصل کرتے ہیں، خوشی کا ماحول بنتا ہے اور کسی کو ادنیٰ سی تکلیف بھی نہیں ہوتی ہے۔

عید مسرتوں کا دن

عید مسرتوں اور خوشیوں کا دن ضرور ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ اس دن فرشتوں میں دھوم مچ جاتی ہے۔ خالق ارض وسما ان پر رحمت خاص کا معاملہ فرماتا ہے اور فرشتوں سے خطاب کرکے ارشاد ہوتا ہے: بتاؤ جب مزدور اپنا کام پورا کرلے تو اس کی جزا کیا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: اسے مزدوری پوری ملنی چاہیے۔ رحمٰن ورحیم آقا فرماتا ہے: فرشتو! گواہ رہو، میں نے محمد ﷺ کی امت کے روزہ داروں کو بخش دیا اور انھیں جنت کا وارث بنادیا۔ اس دن خدا کی رحمت ومغفرت عام ہوتی ہے۔ روزہ کا بدلہ مغفرت کی شکل میں دیا جاتا ہے، اس کے بدلے رضا وخوشنودی کا پروانہ بخشا جاتا ہے۔ جہنم سے خلاصی کا اعلان ہوتا ہے، بار بار اعلان ہوتا ہے، کبھی معصوم وپاکیزہ مخلوق ملائکہ کے واسطے سے رحمت ومغفرت کا اعلان ہوتا ہے تو کبھی براہ راست رضا ومغفرت کی خوش خبری سنائی جاتی ہے۔ ملائکہ کو آبادیوں میں بھیج دیا جاتا ہے، وہ تمام گلیوں اور راستوں کے سرے پر کھڑے ہوکر روزہ داروں کا شاندار استقبال کرتے ہیں، خوشنودیِ خداوندی اور رضائے الٰہی کا تحفہ اور رحمت وبخشش کا خزانہ لے کر نہایت ہی پرجوش خیر مقدم کرتے ہیں۔

لیکن یہ تمام خوشیاں اور مسرتیں، بخششیں اور رحمتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے اہتمام کے ساتھ ایک ماہ کے روزے رکھے، بھوک کی شدت تھی، کھانا گھر میں موجود تھا، تنہائی تھی، لیکن

رضائے الٰہی کے واسطے ترک کیا،لہو ولعب، غیبت وحسد، بغض وعناد سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا، راتوں کو تراویح کا اہتمام کیا، تلاوتِ قرآن سے زنگ آلود قلب کو صاف کر کے خدا سے تعلق ومحبت کے رشتے کو مضبوط کیا اور پورے سال ایسی ہی زندگی گزارنے کا عہد کیا۔ انھیں لوگوں کی عید ہے ؎

فرش زمیں پہ ضوفشاں عرش بریں کی طلعتیں
آج حد نگاہ سے دور بہت ہیں ظلمتیں
عید سعید کی خوشی صوم و صلوٰۃ کی جزا
آج ہمیں نصیب ہیں دونوں جہاں کی نعمتیں

خدا کی ناراضی قسمت بنے گی

جن لوگوں نے رمضان المبارک کے متبرک ایام کو گل چھروں اور خواب غفلت کے خراٹوں میں گزارا، رمضان بھر نفس کے مطابق من چاہی زندگی بسر کی، ان کے لیے حسرت وندامت کے سوا کچھ نہیں، خدا کی ناراضی قسمت بنے گی۔ رسول اللہ ﷺ کی بددعا ان پر پڑ رہی ہوگی، فرشتے لعنت کر رہے ہوں گے اور خود ان کا دل اندر سے ملامت کرتا ہوگا، انعام واکرام سے محروم ہوگا کیونکہ اس نے مبارک مہینہ کی ناقدری کی، بےحرمتی و بےعزتی کی۔ صحیح کہا شاعر نے ؎

بے تکلف دن میں جو کھاتے تھے ان کی عید کیا
چائے سگریٹ نوش فرماتے تھے ان کی عید کیا
جن کے دل میں احترام ماہ رمضان ہی نہ تھا
ایسے روزہ خور انسانوں کی طالب عید کیا

عید کا پیغام

عید یقیناً خدا کی جانب سے عطا کیا ہوا خوشی کا دن ہے۔ کھانے پینے کا دن ہے مگر عید اسی پر ختم نہیں ہوجاتی بلکہ اپنے ساتھ بےشمار حیات آفریں پیغام لے کر آتی ہے۔ اگر اس پیغام کو قبول کر کے عمل کیا جائے تو عید عید ہے ورنہ وعید۔ عید کے دن حکم دیا گیا کہ غسل کر کے عمدہ لباس پہن کر ظاہری طہارت حاصل کرو، خدا کی تسبیح وتہلیل کر کے اپنے باطن کو نور ایمان وتوحید سے مزین ومنور کرو۔ یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ ظاہری و باطنی طہارت ونظافت اسلام کے اصل اصول میں داخل ہے۔ عید کا دن امن وامان، اتحاد واتفاق، اخوت ومحبت، ایثار وقربانی، بھائی چارگی و ہمدردی اور غمگساری کا کھلے طریقے سے درس دیتا ہے۔ عدل ومساوات، نصرت وتعاون کا پیغام دیتا ہے۔

رنگ ونسل اور طبقاتی کشمکش کو ختم کرتا ہے اور صدقۂ فطر کا حکم دے کر اس امر کی تاکید کرتا ہے کہ ایسا ہرگز نہ ہو کہ کوئی تو خوشی ومسرت سے سرشار اور کوئی یاس وحرماں کا شکار، پریشانی ومصائب میں گرفتار بلکہ اگر پڑوس ورشتہ دار خوش ہیں، غریب ویتیم اور نادار ولاچار بھی اس موقع پر مسرور ہیں تو تمہاری عید مبرور ہے ورنہ مردود۔ خلاصہ یہ کہ انسانیت وآدمیت اور پیار ومحبت عید کا پیغام ہے۔

عید کے ضروری مسائل

(1)......عید کی نماز ادا کرنے کے لیے عید گاہ جانے سے قبل فطرہ ضرور ادا کر دیا جائے (صدقۂ فطر ہر صاحب نصاب پر اپنی جانب سے اور اپنی نابالغ اولاد کی جانب سے ادا کرنا واجب ہے۔ ایک آدمی کے فطرہ کی مقدار نصف صاع گیہوں کے اعتبار سے موجودہ اوزان میں ایک کلو پانچ سو چوہتر گرام چھ سو چالیس ملی گرام ہوتی ہے۔ اس کی قیمت بھی ادا کی جاسکتی ہے)

(2)......عید کے دن اچھے سے اچھا لباس زیب تن کیا جائے۔ خوشی ومسرت کا اظہار کیا جائے۔ غسل وخوشبو اور مسواک وغیرہ کا اہتمام کیا جائے۔

(3)......عید کے دن نماز سے قبل کوئی میٹھی چیز (کھجور وغیرہ) کھالینا مسنون ہے۔

(4)......عید گاہ جاتے وقت تکبیر پڑھتے رہیں (عید الفطر میں آہستہ اور عید الاضحیٰ میں بآواز بلند)

(5)......عید کے دن نماز عید سے قبل نوافل (اشراق وغیرہ) کہیں بھی نہ پڑھیں حتیٰ کہ عورتوں کے لیے بھی نماز سے قبل نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔

(6)......عید کی نماز کے لیے پیدل جانا مستحب ہے۔

(7)......طریقۂ نماز: پہلی رکعت میں امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ کے بعد ہاتھ باندھ لیں، ثنا پڑھیں، پھر ہاتھ اٹھا کر دو مرتبہ امام کے ساتھ تکبیر کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں اور تیسری مرتبہ ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لیں۔ دوسری رکعت میں قرأت کے بعد امام کے ساتھ تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہیں اور ہاتھ چھوڑے رہیں اور چوتھی مرتبہ ہاتھ اٹھائے بغیر تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں چلے جائیں۔

(8)......نماز عید کے بعد خطبہ پڑھنا اور سننا مسنون ہے۔

(9)......نماز پڑھنے کے لیے ایک راستہ سے جائیں اور دوسرے راستے سے واپس آئیں۔

(10)......عید گاہ سے پہلے بھی شہر کی دیگر مساجد میں نماز عید ادا کرنا درست ہے۔ لیکن عید گاہ میں عید کی نماز پڑھنا افضل ہے۔

☆......☆......☆

مولانا عبدالماجد دریابادی

عید کا دن

عید کا دن ہماری بول چال اور شاعروں کے روزمرہ میں اگر اپنا ثانی کوئی رکھتا ہے تو وہ شب برأت کی رات ہے۔ گویا یاروں کا کہنا یہ ہے کہ شب برأت اگر نام ہے حلوہ اڑانے کا، آتش بازی چھڑانے کا، تو عید بھی نام ہے گلے ملنے ملانے کا، سوئیاں کھانے کھلانے کا لیکن شعر و شاعری کے ''ضلع'' اور ادب کے ''اردو بازار'' سے اگر دینداروں کے عبادت خانہ کی طرف قدم رنجہ فرمایئے تو نقشہ ہی جدا پایئے۔ فجر کے اول وقت اذان ہوئی کہ گھر گھر چہل پہل شروع ہوگئی۔ بچے روز جگانے سے بھی نہ جاگتے تھے، آج بے اٹھائے آپ ہی اٹھ بیٹھے۔ رات بھر مارے خوشی کے نیند ہی کسے آئی تھی؟ بڑے بوڑھوں نے رات کی نفلیں تک تو چھوڑی نہ تھیں، دعائیں مانگتے مانگتے صبح ہی کر دی تھی، پھر جماعت میں دیر کیوں کرنے لگے۔ آج مسلمان کے گھر میں نہان ہے جسے دیکھئے اپنی جگہ لوئی کو بنے بنا ہوا غسل کے انتظام میں سرگرم۔ مہینہ بھر آخر روح کو رگڑ رگڑ کر صاف کیا ہے، نفس کو طرح طرح سے صیقل کیا ہے، حق ہے کہ آج جسم بھی روح کی ہم رنگی اختیار کرے اور ظاہر باطن کی لطافتوں کا ساتھ دے۔

غرض نکھری روح، ستھرا جسم، اجلے کپڑے، روزہ دار مسلمان اس شان اور اس آن کے ساتھ گھر سے نکلا، غریبوں کی ضرورتیں پوری کرتا ہوا، یتیموں بیواؤں کے حلق میں دانہ ڈالتا ہوا، مفلسوں کی کھلی ہوئی مٹھیاں بند کرتا ہوا کہ شریعت میں اس کا نام صدقۂ فطر ہے اور یہ واجب ہے۔ کوئی دینے میں دیر کرے گا تو اپنے ہی روزوں کو ادھڑ میں لٹکائے رہے گا۔ قدم عیدگاہ کی راہ پر پڑ رہے ہیں اور زبان و لب ہیں کہ اللہ کا نام جپ رہے ہیں۔ آج مسلمان کی خوشی کا دن ہے۔ آج وہ اپنے سالانہ جشن میں پورے ارمان نکال کر رہے گا۔ گانا بجانا، ناچ نہ مجرا، گالیاں نہ بدمستیاں، زبانوں پر بس نعرۂ تکبیر اور زمزمۂ توحید۔ الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله الله اكبر الله اكبر ولله الحمد۔ اللہ اللہ مسرت کی مدہوشیوں میں اتنا ہوش، دو ایک دن نہیں پورا مہینہ انہوں نے مجاہدوں میں گزار دیا ہے، دن دن بھر بھوکے رہے ہیں۔ پیاسے رہے ہیں۔ کھانے کے ایک دانہ سے پانی کے ایک قطرہ سے اپنے کو روکے رہے ہیں۔ راتیں جاگ جاگ کر کاٹی ہیں۔ تراویح کی لمبی لمبی نمازیں پڑھی ہیں۔ تہجد کے بعد لمبی لمبی دعائیں مانگی ہیں، عید کی مسرت انہیں نہ ہوگی تو اور کس کو ہوگی؟

دن خاصا چڑھ چکا۔ گلی گلی سے مسلمان نکل رہے ہیں، بوڑھے بھی، بچے بھی، ادھیڑ بھی، کوئی پیدل

کوئی سوار، سب عیدگاہ کی طرف روانہ۔ کوئی میلہ ہے؟ کوئی تماشا ہے؟ کوئی دنگل ہے؟ کوئی کارنیوال ہے؟ جی نہیں، صرف نماز پڑھنے، ایک ان دیکھے حاکم کے آگے جھکنے اور گرنے۔ لیکن یہ اتنی بڑی تعداد میں نمازی کہاں سے پیدا ہوئے؟ نماز تو آخر روز ہی فرض تھی، روز اتنا مجمع کیوں نہیں ہوتا؟ اور اس ہجوم میں تو وہ بھی نظر آرہے ہیں جو ایک ایک اٹھوارہ کیا معنی ایک ایک سال گزر جاتا ہے اور سجدہ نہیں کرتے، تو یہ بات کیا ہے جو عیدگاہ کی کشش ان بےنمازیوں کو بھی کھینچے لیے جارہی ہے؟ یاد آیا وہ ایک سچے نے کہا تھا کہ عید کے تڑکے سے ایک اللہ کا فرشتہ پکار کرتا رہتا ہے کہ لوگو! نماز کے لیے چلو۔ ہو نہ ہو یہ اسی کا اثر ہے، اسی نور کا ظہور ہے۔ فرشتہ کی آواز سننے کی تاب تو بھلا ہمارے یہ مادی کان کیا لا سکتے ہیں لیکن دل کے کانوں نے سنا اور سال سال بھر کے بےنمازی آج نمازی بن گئے۔

عید کا دن صدقہ وخیرات کا دن ہے، چھٹی نماز کا دن ہے، مالی اور بدنی دونوں عبادتوں میں مزید اضافہ کا دن ہے۔ اللہ اور بندوں دونوں کے حق ادا کرنے میں اور زائد فکر واہتمام کا دن ہے۔ عید کی نماز روز کی پانچ نمازوں کے علاوہ ایک چھٹی نماز ہے۔ صبح کے بعد اور دوپہر سے پہلے۔ رکعتیں کل دو۔ لیکن تکبیریں کئی زائد۔ عیدگاہ! عیدگاہ کا نام کئی بار آچکا۔ خیال ہوتا ہوگا کہ کوئی بڑی عالی شان عمارت ہوگی، آراستہ وقابل دید۔ جی یہ کچھ نہیں، نہ تصویریں نہ فرنیچر نہ ہال نہ برآمدہ، نہ دالان نہ شہ نشین، نہ بالاخانے نہ دریچے۔ مکانیت اتنی بھی نہیں جتنی کہ معمولی مسجد کی ہوتی ہے۔ پٹی ہوئی چھت تک سے محرومی۔ دھوپ کا بچاؤ نہ بارش سے پناہ۔ بس ایک لمبی سیدھی سی قناتی دیوار مغرب کی جانب، بیچ میں ایک منبر اور سامنے ایک چبوترہ۔ کل یہ کائنات اور اس میں کشش اس غضب کی۔ بےجسم و بےمکان، بےصورت و بےتصویر والے، اللہ کی عبادت گاہ ہونی چاہیے بھی ایسی ہی سادہ، ایسی ہی بےرنگ! خالق کائنات کی عظمت اور مخلوق کے ہیچ ہونے کا تصور جیسا اس ماحول میں پیدا ہو سکتا ہے اور کہیں کہاں ممکن؟

نمازی جمع ہو لیے تو اب نماز کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ گھنٹہ گھنٹی تو کبھی بھی نہیں ہوتا آج اذان بھی نہ ہوئی۔ خلقت خود ہی ٹوٹی پڑتی ہے۔ دوڑی ہوئی کھنچی ہوئی چلی آرہی ہے۔ پھر بلانے کی، پکارنے کی ضرورت ہی کیا۔ صفیں کھڑی ہونے لگیں اور کچھ دیر ان کی درستی ہوگی۔ اسلام کا نظام سارے کا سارا نیم عسکری ہے۔ صفوں کی درستی کی، اس میں بڑی اہمیت ہے۔ اس کی قدر کوئی فوج والوں سے پوچھے۔ خیر صفیں ٹھیک ہو گئیں اور سب ایک ساتھ کھڑے ہو گئے۔ بوڑھے بھی جوان بھی، امیر بھی، غریب بھی، خادم بھی مخدوم بھی، زردار بھی، نادار بھی، محمود بھی، ایاز بھی، عطر میں ڈوبے ہوئے رئیس بھی، پسینے میں لت پت مزدور بھی، قدم سے قدم ملائے ہوئے شانہ سے شانہ بھڑائے ہوئے۔ سب ایک ہی امام کے پیچھے،

اس کی ایک آواز پر سب اس کے پیچھے دست بستہ کھڑے ہوگئے۔اسی کی آواز پر سب ایک ساتھ جھکیں گے۔سب ایک ساتھ گریں گے۔سب ایک ساتھ اٹھیں گے۔شخصیتیں مٹ گئیں تفرقے فنا ہوگئے، پرزے مشین میں فٹ ہوگئے، اینٹ اینٹ سے جڑ کر دیوار بن گئی۔عبودیت کے روحانی پہلوؤں کو چھوڑیے۔ربط اجتماعی کا عجیب وغریب نظارہ! اپنوں کو قدر ہو یا نہ ہو باہر کے اہل نظر تو نظم واطاعت (ڈسپلن) کے اس پر اثر منظر پر لوٹ لوٹ گئے ہیں۔امریکہ کے ڈاکٹر Denisan اور یورپ کے بشپ Lafray اور سر ٹامس آرنلڈ۔یہ تینوں نام تو اس وقت برجستہ یاد ہی پڑ گئے۔

امام نے سلام پھیرا تو سب ہی نماز سے باہر آ گئے۔اب خطبہ کی باری آئی۔امام نے خطبہ سنایا۔ اسلام کی سرکاری زبان عربی میں عید کے مسائل اور عید کے فضائل پر۔یہ بھی ہو لیا تو اب دعا کے لیے ہاتھ اٹھے اور دعا مانگی گئی، ذرا لمبی سی۔اس کے بعد سب اٹھ کھڑے ہوئے اور واپسی شروع ہوئی۔ عیدگاہ کے باہر جو دکانیں لگی ہوئی ہیں ان کی سیر کرتے ہوئے، سودا خریدتے ہوئے، دین کے تحت اور ضمن میں دنیا کا بھی نفع کماتے ہوئے۔بازار کا سماں دکھانے میں کوئی سرور کا قلم اور فسانہ عجائب کی زبان کہاں سے لائے! حلوائی صاحب ہیں کہ گاہکوں کے پرچانے میں، لبھانے میں، خود ہی قند کی طرح گھلے جاتے ہیں۔باتیں وہ میٹھی میٹھی بناتے ہیں کہ سننے والے ہونٹ چاٹتے رہ جاتے ہیں۔ کبابیوں کے ہاں کی خوشبوناک میں آجائے تو منعم کے منہ میں پانی بھر آئے اور مفلس کا دل حسرت سے خود کباب ہوجائے۔ہوا دیتے جاتے ہیں، سرخ سرخ سیخوں کو بھی اور خریداروں کی آتش شوق کو بھی۔کہیں چائے کے دور دلوں کو گرمائے ہوئے، کہیں کھلونے والے اپنی صداؤں سے آسمان سر پر اٹھائے ہوئے۔ادھر پھیری والوں کی چیخ پکار ادھر حقہ، پان، سگریٹ کی دوکانوں پر بہار۔ نانبائیوں کے ہاں دیگیں چڑھی ہوئیں، برف والوں کے ہاں قلفیاں جمی ہوئیں۔

نمازیوں کی واپسی ہوئی تو دوسرے راستہ سے اور اس راستہ میں بھی وہی توحید کا کلمہ پڑھتے پڑھاتے، اللہ کی حمد سناتے، اللہ کی بڑائی جتاتے۔گھر سے نکلے تھے عبدیت کا فرض ادا کرنے، گھر میں داخل ہوئے اس فرض کو ادا کرکے۔دن بھر ملنے ملانے میں مصرف ہوئے، دوستوں سے عزیزوں سے، اپنوں سے بیگانوں سے، جن کے ہاں کبھی نہیں جاتے تھے، آج جائیں گے، جو ان کے ہاں کبھی نہیں آتے تھے آج آئیں گے۔خاطرداریاں، مہمان نوازیاں دن بھر جاری رہیں گی۔اس میں نماز ظہر کی بھی ہوگی، عصر کی بھی۔یہاں تک کہ وقت مغرب کا آجائے اور اللہ اکبر کی آواز بلند ہونا انسانی حلق کے Transmitter سے یہ نشر ہونا تمام ہوگا۔شروع ہوا تھا اللہ کی کبریائی کے اعلان سے، ختم ہوگا اللہ کی کبریائی کے اعلان پر۔(از نشریات ماجدی)

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی

رمضان کے بعد

رمضان المبارک کا مہینہ گزر گیا، اس کے گزرنے سے بہت سے لوگوں پر ایک مایوسانہ کیفیت طاری ہوئی جیسے کوئی عزیز مہمان رخصت ہو جائے اور بہت دنوں بعد اس کے آنے کی امید ہو۔ بہت سے لوگوں پر ایک اطمینانی کیفیت طاری ہوئی، جیسے ان کا کام ختم ہو گیا اور اب ان پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ یہ دونوں کیفیتیں اللہ اور اس کے رسول کے منشا اور رمضان المبارک کی روح اور پیام کے منافی ہیں۔ رمضان اگر رخصت ہوا تو ایمان اور اس کے تقاضے، شریعت اور اس کے احکام اللہ تعالیٰ اور اس سے تعلق بہر حال باقی ہے۔ رمضان درحقیقت ایک دور کا خاتمہ نہیں ایک دور کا آغاز ہے۔ رمضان انتہا نہیں ابتدا ہے۔ رمضان سب کچھ لے کر، اور سب نعمتیں تہہ کر کے اور لپیٹ کر نہیں جاتا ہے، وہ بہت کچھ دے کر جھولیاں بھر کر اور نعمتیں لٹا کر جاتا ہے۔ رمضان کے بعد آدمی گناہوں سے ضرور ہلکا ہوتا ہے لیکن ذمہ داریوں سے بوجھل اور گرانبار ہو جاتا ہے۔ اس سب کے باوجود بہت سے بھائی دل میں کہتے ہوں گے کہ رمضان گیا اب کیا کریں؟ اس مختصر مضمون میں اسی سوال کا جواب مقصود ہے۔ یہاں ان باتوں کا تذکرہ کیا جائے گا جو رمضان کے بعد اور ہمیشہ کرنے کی ہیں۔

(1)......توبہ: سب سے مقدم اور اہم کام یہی ہے جس کے لیے کسی زمانہ اور مقام کی قید نہیں مگر رمضان المبارک اس کی تحریک اور تقاضا پیدا کرتا ہے اور اس کو آسان بنا دیتا ہے، یہ ہے کہ ہم اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے ٹوٹا ہوا رشتہ یا چھوٹا ہوا رشتہ جوڑیں۔ توبہ کی قرآن و حدیث میں اس قدر ترغیب و تاکید ہے اور اس قدر اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جو ایمان کے بعد سب سے اہم چیز معلوم ہوتی ہے، قرآن شریف میں ہے:

﴿وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

”تم سب اے ایمان والو! اللہ کی طرف رجوع اور توبہ کرو تا کہ تم کامیاب ہو۔“

دوسری جگہ ہے: ﴿تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ ”اللہ سے سچی اور مخلصانہ توبہ کرو۔“

کہیں کہیں مومنین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے بڑی بڑی عبادتوں اور فضیلتوں سے پہلے توبہ کا ذکر کیا گیا ہے:

﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (التوبہ:١١٢)

''وہ توبہ کرنے والے ہیں، بندگی کرنے والے، شکر کرنے والے، بے تعلق رہنے والے، سجدہ کرنے والے، حکم کرنے والے نیک بات کا اور منع کرنے والے بری بات سے اور حفاظت کرنے والے ان حدود کے جو باندھے اللہ نے اور خوشخبری سنادے ایمان والوں کو۔''

حدیث شریف میں آتا ہے:

"كلكم خطّاؤن وخير الخطّائين التوّابون."

''تم سب اے انسانو! خطا کار ہو اور گنہگار ہو اور خطا کاروں اور گنہگاروں میں سب سے بہتر کثرت سے توبہ کرنے والے ہیں۔''

دوسری حدیث میں ہے:

"التائب من الذنب كمن لاذنب لهٗ."

''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس کا کوئی گناہ ہی نہیں۔''

ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والے کی توبہ سے ایسی خوشی ہوتی ہے جیسے کہ ایک قصہ ہے کہ ایک شخص اپنا سارا سامان واسباب خوراک ایک اونٹ پر باندھ کر ایک ریگستان کا سفر کر رہا تھا۔ اس کا اونٹ کھو گیا۔ وہ شخص اپنی زندگی سے مایوس ہو کر مرنے کے لیے تیار ہو کر سو گیا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اچانک وہ دیکھتا ہے کہ اونٹ سامان سے لدا سرہانے کھڑا ہے۔ وہ خوشی میں ایسا مست ہو گیا کہ اس کی زبان سے الٹے الفاظ نکل گئے اور کہنے لگا کہ اے اللہ میں تیرا رب ہوں اور تو میرا بندہ، تیرا بڑا شکر ہے۔ واقعہ بھی یہ ہے کہ توبہ کرنے والا انسان اپنے آقا کا بھاگا ہوا غلام ہے، جب بھی وہ واپس آجائے آقا کو خوشی ہونی چاہیے۔ یہ خوشی اس کی ربوبیت، کرم اور محبت کا ایسا ہی تقاضا ہے جیسا اونٹ کے مل جانے پر انسان کی خوشی اس کی بشریت اور احتیاج کا تقاضا ہے۔

قرآن و حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ صرف ضرورت ہی کی چیز اور مجبوری کا معاملہ نہیں ہے کہ جب آدمی کسی معصیت میں مبتلا ہو جائے تو توبہ کرے، یہ تو فرض واجب ہے اور اس کے بغیر تو صاحب ایمان کو چین ہونا نہیں چاہیے بلکہ توبہ ایک مستقل عبادت ہے۔ قرب اور محبوبیت کا ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعہ سے جو ترقی ہوتی ہے اس کو کوئی عبادت نہیں پہنچ سکتی۔ اس لیے

ابرار وصالحین اور مقربین کو بھی اس کی ضرورت ہے۔ وہ جب کسی توبہ کرنے والے پر رحمت الٰہی کی بارش اور اُس ذات عالی کی نوازش دیکھتے ہیں تو ان کو اپنی بڑی بڑی عبادتیں اس کے سامنے ہیچ اور حقیر معلوم ہونے لگتی ہیں اور وہ اس وقت اس گروہ میں شامل ہونے کی کوشش کرتے ہیں جو رحمت الٰہی کا مورد ہوتا ہے۔

بہرحال رمضان کے بعد سب سے مقدم اور اہم اور سب سے اعلیٰ وافضل کام یہ ہے کہ ہم اپنے سارے گناہوں سے توبہ کریں اور وقتاً فوقتاً توبہ کرتے رہیں۔ آنحضرت ﷺ ایک ایک مجلس میں ستر ستر اور بعض اوقات سو سو مرتبہ استغفار کرتے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادیے تھے۔﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ (الفتح)

قارئین عزیز! اس کا خاص اہتمام کریں اور توبہ واستغفار کی دولت حاصل کرتے رہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ وہ شخص بڑا خوش قسمت ہوگا جو حشر کے دن اپنے نامہ اعمال میں استغفار کی کثرت پائے گا۔

(2)......**ایمان کی تجدید:** بہت سے بھائی سمجھتے ہیں کہ ایمان ایک مرتبہ لے آنا کافی ہے، اس کے بعد اس کو تازگی، غذا، تجدید کی ضرورت نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایمان اسی طرح پرانا ہوتا جاتا ہے جیسے کپڑا میلا اور پرانا ہوجاتا ہے، اس کو نیا اور اُجلا کرتے رہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اس کو کس طرح نیا کریں فرمایا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی کثرت کرو۔ خود قرآن شریف میں ہے:

﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۝﴾ (الحدید)

''کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں پر کہ گڑگڑائیں ان کے دل اللہ کی یاد سے اور جو اترا ہے سچا دین اور نہ ہوں ان جیسے جن کو کتاب ملی تھی اس سے پہلے، پھر دراز گزری ان پر مدت، پھر سخت ہوگئے ان کے دل اور بہت ان میں نافرمان ہیں۔''

اس آیت کے سننے اور پڑھنے کے بعد بعض اصحاب اپنے دل کی سختی اور بے حسی سے شاید مایوس ہوتے اور سمجھتے کہ دل کی یہ زمین بالکل اوسر اور بنجر ہوگئی ہے اور اب بھی اس میں شادابی اور روئیدگی پیدا نہیں ہوگی، تو معاً اس کے بعد ارشاد ہوا:

﴿اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

تَعۡقِلُوۡنَ﴾

''یادرکھو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو مردہ ہوجانے کے بعد زندہ کردیتا ہے، ہم نے تمہارے لیے اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کیں اگر تم سمجھتے ہو۔''

ایک آیت میں فرمایا گیا ہے: ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا....الخ﴾ یہاں بھی ایمان کی تکمیل وتجدید مراد ہے۔ بہرحال ہر شخص کو اپنے ایمان کی تکمیل، تجدید، تقویت کی ضرورت ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک سوچ سمجھ کر شعور واحساس کے ساتھ کلمۂ توحید کی تکرار و کثرت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا گیا کہ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کی کثرت کرو۔ ظاہر ہے کہ وہ بے سوچے سمجھے اور معنی مطلب پر غور کیے بغیر کلمہ کی تکرار اور کثرت نہیں کرتے ہوں گے۔ دوسرے ذکر کی کثرت اور ذکر کی قوت، یہ دونوں مستقل چیزیں ہیں۔ عام حالات میں ذکر کی کثرت ذکر میں قوت پیدا کردیتی ہے۔ خاص حالات میں ذکر کی قوت کثرت کے قائم مقام بن جاتی ہے۔ قوت کے معنی یہ ہیں کہ خاص کیفیات توجہ استحضار کے ساتھ اللہ کو یاد کیا جائے۔ ان کیفیات وخصوصیات کے ساتھ تھوڑا سا یاد کرنا بھی تھوڑا نہیں ہے اور بڑے اثرات رکھتا ہے، لیکن یہ بات بڑی استعداد یا اعلیٰ یقین یا طویل محنت یا ندامت اور انابت سے پیدا ہوتی ہے۔ تیسری چیز اہل یقین کی صحبت ہے، جس کی کیمیا اثری اور پارس صفتی دنیا کو تسلیم ہے اور قرآن مجید کی اس پر مہر لگی ہوئی ہے:

﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ﴾

''اے ایمان لانے والو! اللہ کا لحاظ کرو اور اس سے ڈرو اور صادقین (راست بازوں) کے ساتھ رہو۔''

چوتھی چیز اعمال کی کثرت اور مداومت ہے۔ اس سے بھی ایمان میں جلا اور قوت اور زندگی پیدا ہوتی ہے۔

(3)...... رمضان کے بعد اور ہمیشہ کرنے والے کاموں میں شریعت کی پابندی اور فرائض و احکام کی بجاآوری ہے جس کی خصوصی مشق رمضان میں کرائی جاتی ہے۔ ﴿لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ﴾، سوچنے والی بات یہ ہے کہ جب رمضان میں حلال طیب چیزیں ایک خاص وقت کے اندر ممنوع قرار دی گئیں اور اُن پر بندش عائد ہوگئی تو وہ چیزیں جو سدا سے حرام اور قیامت تک حرام رہیں گی وہ غیر رمضان میں کیسے جائز ہوسکتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مومن کے دو روزے ہیں ایک عارضی اور ایک دائمی۔ عارضی روزہ رمضان میں ہوتا ہے، صبح صادق کے طلوع سے غروب آفتاب تک، اس میں کھانا

پینا اور ممنوعات صوم سب ناجائز ہوتے ہیں۔ دائمی روزہ بلوغ سے موت تک، اس میں خلاف شریعت کام اور ممنوعات شریعہ سب ناجائز ہوتے ہیں۔﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ ''اپنے رب کی بندگی اور تابعداری کرو جب تک موت نہ آ جائے۔'' کیسے تعجب کی بات ہے کہ عارضی روزے کی پابندی کی جائے اور دائمی روزے کو کھیل بنالیا جائے جس کا ایک جز اور ایک حصہ یہ عارضی روزہ ہے۔ اگر وہ روزہ نہ ہوتا تو یہ روزہ بھی نہ ہوتا۔ وہ روزہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، یہ روزہ کلمہ پڑھ لینے اور اسلام کی حالت میں زمانہ بلوغ کے آجانے سے شروع ہوتا ہے، وہ روزہ آفتاب کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ یہ روزہ بھی جب تک زندگی کا آفتاب رہتا ہے باقی رہتا ہے، جہاں زندگی کا آفتاب غروب ہوا اور طائر روح نے اپنے قفس کو چھوڑا وہ روزہ بھی ختم ہوا۔ رمضان گزر گیا۔ فرض روزے بھی اس کے ساتھ گئے، مگر اسلام باقی ہے اور اس کا طویل اور مسلسل روزہ بھی باقی ہے۔ پہلے کی عید دوگانہ ہے جو عیدگاہ اور مسجد میں ادا ہو جاتا ہے، دوسرے کی عید وہ حقیقی عید ہے جس کے متعلق شاعر عارف نے کہا ہے ؎

انبساط عید دیدن روئے تو
عید گاہِ ما غریباں کوئے تو

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾

''اس روز کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔''

(4)......رمضان مبارک کا بڑا تحفہ اور عطیۂ ربانی یہ قرآن مجید ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ﴾ (البقرہ)

'مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن، ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی۔''

رمضان تو سال بھر کے لیے رخصت ہوا، مگر اپنا پیام اپنا تحفہ اور اپنی سوغات چھوڑ تا گیا۔ ضرورت ہے کہ رمضان گزر جانے کے بعد اس تحفہ سے اس کی یاد تازہ کی جائے، اس کی برکات حاصل کی جائیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تحفہ قاصد سے بڑھ کر ہے۔ شاہِ وقت اپنے کسی منتخب غلام کو کسی قاصد کے ہاتھ تحفہ بھیجے تو یہ تحفہ اس کی خاص سوغات ہے۔ یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی صفات کا مظہر ہے۔ اس وقت پورے عالم انسانی میں اور اس زمین کی سطح کے اوپر اللہ تعالیٰ کی ذات سے قرب

رکھنے والا اوراس کی صفات وکمالات کا پرتو قرآن مجید ہی ہے۔ضرورت ہے کہ اس کوایک زندہ کتاب کی طرح ہمیشہ پڑھا جائے اور یقین پیدا کیا جائے کہ ہم اللہ کا کلام پڑھ رہے ہیں اور اُس ذات عالی کے مخاطب اور ہم کلام ہیں۔ پڑھتے وقت ہمارا سینہ اس یقین سے معمور، ہمارا دل اس احساس سے مسرور اور ہماری روح اس کیفیت سے مخمور ہو۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا۔ھل سمانی ربی کیا میرے مالک نے میرا نام لے کر کہا کہ (ابی بن کعب سے) قرآن مجید پڑھوا کر سنو اور جب اس کا جواب اثبات میں ملا تو فرطِ مسرت سے رو پڑے۔ہم کو بھی اس پر ناز ہونا چاہیے کہ ہمارا رب ہم سے مخاطب ہے اور ہم میں سے ہر شخص فرداً فرداً اس کا مخاطب اور شرف خطاب والتفات سے مشرف ہے۔ بہت سے بھائی رمضان میں بڑی مستعدی سے قرآن مجید سنتے اور پڑھتے ہیں مگر رمضان ختم ہوتے ہی اس کو طاق پر ایسا رکھتے ہیں کہ پھر رمضان میں اُتارتے ہیں، یہ بڑی ناقدری اور نادانی ہے۔ رمضان مبارک اس کی تقریب کرا کے رخصت ہوتا ہے، وہ اس لیے آتا ہے کہ آپ سال بھر اس کو پڑھتے رہیں، نہ اس لیے کہ سال بھر کا آپ اس میں پڑھ لیں پھر سال بھر کے لیے چھٹی! اس لیے رمضان کے بعد کرنے کا چوتھا کام یہ ہے کہ ہم قرآن مجید سے اپنا تعلق باقی رکھیں اوراس کی تلاوت غور وتدبر سے جاری رکھیں۔

(5)......رمضان مبارک ہمدردی وغمخواری، امداد واعانت اورحسن وسلوک کا خاص مہینہ ہے۔ اس کوشہرالبروالمواساۃ کہا گیا ہے، اس کے جانے کے بعد بھی ہمیں اس شعبہ کوزندہ رکھنا چاہیےاوران سب بھائیوں کی خبر لیتے رہنا چاہیے، جو ہماری امداد واعانت اورسلوک کے محتاج ہیں۔موجودہ بے روزگاری، اورگرانی نے ان لوگوں کی تعداد بہت بڑھادی ہے جو پیسہ پیسہ کے محتاج اوردانے دانے کو ترستے ہیں اورکسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے،﴿للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ....الآیۃ﴾ رمضان کی تاثیراورروزے کی قبولیت کی یہ بھی علامت ہے کہ دل میں گداز اورطبیعت میں نرمی اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہواور رمضان گزر جانے کے بعد بھی خلق خدا پر شفقت، غربا پر ترس اور پریشان حال لوگوں کے ساتھ اچھے سلوک کی خواہش اورکوشش ہو۔

یہ ہیں وہ سب کام جو رمضان کے بعد بھی جاری رہنے چاہئیں اور رمضان جن کے لیے خاص طور پر تیار کر کے جاتا ہے۔فبشر عباد الذین استمعون القول فیتبعون احسنہ اولئك الذین ھداھم اللہ واولئك ھم اولوا الالباب.

☆......☆......☆

امام غزالی رحمہ اللہ **انتخاب**: ایم اے ہاشمی

تزکیہ و تربیت

زبان

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ جس چیز کو قابو میں رکھنا ضروری ہے وہ زبان ہے، تو ذرا زندگی کے وہ قیمتی لمحات تو یاد کر جو تو نے بے ہودہ اور لغو گفتگو میں ضائع کیے ہیں۔ اگر تو ان عزیز لمحات میں توبہ و استغفار کرتا تو شاید کسی نیک ساعت میں تیری توبہ قبول ہو جاتی، اور اگر تیرے گناہ بخش دیے جاتے تو تجھے نفع ہوتا۔ ان لمحات میں لا الــہ الا اللـہ کا ورد کرتا رہتا تو تجھے بے حساب اجر و ثواب ملتا۔ ان لمحات میں یہ دعا کرتا ''اے اللہ میں تجھ سے عافیت اور سلامتی کا سوال کرتا ہوں'' شاید کسی مبارک ساعت میں یہ الفاظ تیرے منہ سے نکلتے اور تیری دعا قبول ہو جاتی۔ اس طرح دنیا اور آخرت کی نجات پا جاتا۔ پوری احتیاط سے زبان کی حفاظت کر کیونکہ یہ معمولی سا عضو بعض دفعہ بہت جلد انسان کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ کا فرمان ہے کہ زبان سے ایسی بات نہ نکالو جسے سن کر لوگ تمہارے دانت توڑ دیں۔ زبان کی حفاظت نہ کرنے کے سبب آخرت میں انسان عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اس عذاب کا ذہن میں تصور رکھا جائے۔ اس سلسلے میں تم یہ نکتہ یاد رکھو کہ تم جو گفتگو کرتے ہو وہ یا تو حرام و ناجائز یا فضول و لایعنی ہے۔ اگر حرام و ناجائز ہوگی تو ایسی گفتگو بلاشبہ عذاب کا باعث ہے جسے برداشت کرنے کی طاقت انسان میں نہیں ہے۔ فضول و لایعنی گفتگو کراماً کاتبین کو لکھنی پڑتی ہے تو انسان کو چاہیے کہ ان سے حیا کرے اور فضول باتیں لکھنے کی ان کو تکلیف نہ دے۔

رب تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ (بندہ کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالتا مگر اسے نوٹ کرنے کے لیے ایک نگہبان اس کے پاس تیار بیٹھا ہے) یہ اچھی بات نہیں کہ لغو اور بے ہودہ باتوں سے بھرا ہوا اعمال نامہ رب تعالیٰ کے حضور پیش ہو۔

دل

دل کی حفاظت، اس کی اصلاح اور اسے درست رکھنے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔ دل کا معاملہ باقی اعضاء سے زیادہ خطرناک ہے اور اس کا اثر باقی اعضاء سے زیادہ ہے۔ اس کی درستی

زیادہ وقت طلب اور اس کی اصلاح زیادہ مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وہ خائن آنکھوں اور دل کے پوشیدہ رازوں کو جانتا ہے۔'' ''جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔'' ''بے شک اللہ تعالیٰ سینے کے راز جانتا ہے۔'' غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کتنی دفعہ اس بات کو دہرایا اور تکرار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سینے کے اسرار پر آگاہ ہونا ہی ڈرنے اور خوف کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ علام الغیوب کے ساتھ معاملہ بہت نازک ہے۔ اس لیے تمہیں خیال ہونا چاہیے کہ تمہارے دلوں میں کس طرح کے راز ہیں جن سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔ اگر معاذ اللہ تمہارے خیالات و ارادے گندے ہیں تو تمہیں شرم و حیا کرنی چاہیے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ تمہاری صرف ظاہری صورتوں اور کھالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کو بھی دیکھتا ہے۔'' اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ دل کا رب العالمین کی نظر میں اہم مقام ہے۔ فساد قلب کا باعث یہ چار چیزیں ہیں۔ دنیا کی امیدیں۔ (۱) جلد بازی (۲) حسد۔ (۳) تکبر۔ اس کے مقابلے میں اصلاح کرنے والی یہ چار چیزیں ہیں۔ (۱) امیدیں کم کرنا۔ (۲) معاملات میں تحمل و آہستگی۔ (۳) مخلوق کے ساتھ خیر خواہی۔ (۴) خشوع و خضوع سے پیش آنا۔ یہ وہ آٹھ چیزیں جن کے ساتھ قلب کی اصلاح یا خرابی وابستہ ہے۔ اس لیے اسباب فساد سے بچو اور مفید قلب باتوں کو اختیار کرو تا کہ آخرت کی مشقت سے محفوظ رہو اور اپنے مقصود حاصل کر سکو۔

ریا و عجب

لوگوں کو اپنے اعمال، عبادات دکھلا کر تعریف و توصیف کا طالب ہونا ریا کاری ہے اور اخلاص یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے نیک کام کرے تو دل یہ چاہت نہ رکھے کہ اس پر اس کی تعریف کی جائے۔ دوزخ جنت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اس لیے اپنے اعمال اسی کو دکھا۔ وہ تمہیں اپنی عطاؤں سے مالا مال کر دے گا۔ ریا کار کو اللہ تعالیٰ ناکام و نامراد کرتا ہے۔ حضورؐ سے روایت ہے کہ ریا کار کو قیامت کے دن چار ناموں سے پکارا جائے گا: اے کافر، اے فاجر، اے غدار، اے خاسر۔ تیری کوشش بے کار چلی گئی۔ تیرے اعمال بے کار ہو چکے ہیں۔ یہاں آخرت میں تیرا کوئی حصہ نہیں۔ اے دھوکے باز اپنے اعمال کا اجر و ثواب اس سے جا کر لے جس کو دکھانے کے لیے تو عمل کرتا تھا۔ ریا سے آنے والی مصیبتوں میں ایک مصیبت جنت سے محرومی ہے کیونکہ نبی کریمؐ سے مروی ہے کہ جنت نے گفتگو کی اور کہا میں بخیل اور ریا کار پر حرام ہوں۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا: ''دوزخ اور اہل دوزخ

ریاکاروں سے چیخ اٹھیں گے۔'' عرض کی گئی: دوزخ کیوں چیخے گی۔ آپ ؐ نے فرمایا: ''اس آگ کی تپش سے جس سے ریاکاروں کو عذاب دیا جارہا ہوگا۔'' بیان کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت سفیان ثوریؒ کی ساتھیوں سمیت دعوت کی تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ اس تھال میں روٹی رکھ کر لاؤ جو میں دوسرے حج کے موقع پر لایا تھا، پہلے حج والے تھال میں روٹی نہ لانا۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے اس کی طرف دیکھا اور کہا کہ اس مسکین نے اتنی سی بات میں اپنے حج کو باطل کردیا۔

اور بعض علماء سے سنا ہے کہ وہ حسن بصریؒ کے متعلق بیان کرتے تھے کہ ان کی وفات کے بعد ان کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے ان کا حال پوچھا گیا تو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کرلیا اور فرمایا: اے حسن کیا تجھے یاد ہے کہ ایک دن تو مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۔ لوگوں نے تجھ کو دیکھا تو تو نے اپنی نماز اچھی کرکے پڑھی۔ اگر تیری پہلی نماز میرے لیے خالص نہ ہوتی تو میں تجھے آج اپنے دربار سے ہانک دیتا اور تجھ سے اپنا تعلق منقطع کرلیتا۔

کسی نیک شخص سے روایت ہے کہ میں ایک رات سحری کے وقت برلب سڑک ایک بالاخانے پر سورہ طٰہٰ پڑھ رہا تھا۔ جب سورۃ کو ختم کرلیا تو مجھے اونگھ سی آ گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی آسمان سے نازل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک صحیفہ تھا۔ اس نے میرے سامنے پھیلا کر رکھ دیا۔ اس میں وہی صورت طٰہٰ لکھی ہوئی تھی اور ہر کلمہ کے نیچے کچھ نہیں لکھا ہوا تھا۔ میں نے کہا: میں نے یہ کلمہ بھی پڑھا تو تھا لیکن نہ تو یہ کلمہ لکھا ہوا ہے نہ اس کا ثواب۔ اس آدمی نے کہا: تم صحیح کہتے ہو، تم نے پڑھا تھا اور ہم نے لکھا بھی تھا۔ مگر ہم نے آسمان سے ایک آواز دینے والے کو سنا، اس نے کہا: اس کلمہ کو مٹادو اور اس کا ثواب بھی ختم کردو تو ہم نے اسے مٹادیا۔ اس آدمی نے کہا: میں اپنے خواب میں ہی رونے لگا اور اس سے پوچھا: اس نے جواب دیا کہ ایک آدمی سڑک پر سے گزرا تو اس کو سنانے کے لیے تم نے یہ کلمہ بلند آواز سے پڑھا تھا تو اس کا ثواب ختم ہوگیا۔ اس کو یاد رکھو یہی حال عجب (اپنے اعمال صالح کو عظیم خیال کرنا) کا ہے۔

پس اے مسکین! غور کر اور ہوشیار ہوجا کہ تو خسارہ پانے والوں میں سے نہ ہوجائے بلکہ اللہ تعالیٰ کے مخلص، ڈرنے والے، فکر کرنے والے اور اللہ کے احسانات پر راضی ہونے والے لوگوں میں سے ہوجا۔ باقی رہی نقصان کی شدت تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ریا اور عجب ایک بہت بڑی آفت ہے جو ایک لحظہ میں واقع ہوجاتی ہے اور بسا اوقات ستر سال کی عبادت کو بگاڑ کر رکھ دیتی ہے۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر عبدالروف خان مرحوم (پی۔ایچ۔ڈی)

ناپ تول میں کمی

وہ برائیاں جو معاشرے میں ظلم و ناانصافی اور فساد فی الارض کا باعث بنتی ہیں یا ماضی میں جن کے باعث قوموں پر عذابِ الٰہی نازل ہوا اور جن کے بارے میں قرآن مجید میں سخت الفاظ میں انتباہ کیا گیا اور جن کے ارتکاب پر تباہی، پھٹکار، لعنت اور جہنم کی وعید سنائی گئی، ان میں ایک برائی ناپ تول میں کمی ہے۔ ناپ تول کا معاملہ اس قدر اہم ہے کہ ربّ کائنات نے اسے پورے نظام کائنات کے ساتھ منسلک کر دیا اور بتا دیا کہ اگر اس میں کمی بیشی کرو گے تو کائنات کا نظام جو عدل و قسط کی میزان پر قائم ہے، وہ خراب (DISTURB) ہو جائے گا۔ قرآن مجید کی سورۂ رحمٰن میں بڑا واضح فرمایا:

﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ o أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ o وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ﴾ (الرحمن: 55/ 7 تا 9)

''آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان قائم کر دی، اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو، انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو''۔

فلکیات اور سائنس کے دوسرے مضامین پڑھ لیں کائنات کا پورا نظام میزان یعنی عدل پر قائم ہے۔ کہکشانوں کے سیاروں اور دوسری اشیاء میں کمال درجہ کا توازن ہے اور اگر اس میں معمولی سی بھی بے اعتدالی آ جائے تو پوری کائنات تباہ ہو جائے۔ زمین کی کشش ثقل میں اگر 0.01 فیصد بھی کمی بیشی آ جائے تو یہ اپنے مدار سے نکل کر خود بھی تباہ ہو جائے اور دوسرے سیاروں کو بھی تباہ کر دے۔ مولانا مودودیؒ تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں:

''چونکہ تم (انسان) ایک متوازن کائنات میں رہتے ہو جس کا سارا نظام عدل پر قائم ہو گیا ہے، اس لیے تمہیں بھی عدل پر قائم ہونا چاہیے۔ جس دائرے میں تمہیں اختیار دیا گیا ہے، اس میں اگر تم بے انصافی کرو گے اور جن حق داروں کے حقوق تمہارے ہاتھ میں دیئے گئے ہیں، اگر ان کے حق مارو گے تو یہ فطرت کائنات سے تمہاری بغاوت ہو گی۔ اس کائنات کی فطرت ظلم و ناانصافی اور حق ماری کو قبول نہیں کرتی، یہاں ایک بڑا ظلم تو درکنار، ترازو میں ڈنڈی مار کر اگر کوئی شخص خریدار کے حصے کی ایک تولہ بھر چیز بھی مار لیتا ہے تو میزان عالم میں

خلل برپا کر دیتا ہے''۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں: ''یعنی جب خالق نے اس کے اندر میزان رکھی جس پر یہ قائم ہے، یہ نہ ہو تو آسمان درہم برہم ہو جائے تو اس سے خالق کا مزاج اور اس کا ذوق معلوم ہوا کہ وہ چاہتا ہے کہ انسان بھی اپنے دائرۂ اختیار کے اندر اسی طرح توازن عدل اور قسط کو ملحوظ رکھے، اس میزان میں کوئی خرابی نہ پیدا کرے ورنہ سارے نظام معاش و معیشت میں فساد پھیل جائے گا......اس سے معلوم ہوا کہ ناپ تول میں کامل انصاف کا حکم ایک عظیم حکم ہے۔ یہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے اس میزانِ عدل کی ایک فرع ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس عالم کا نظام قائم فرمایا ہے اور یہیں سے یہ بات بھی نکلی کہ جو قوم اس میں فساد برپا کر دیتی ہے وہ سارے نظام تمدن میں فساد برپا کر دیتی ہے''۔

(تدبر قرآن، جلد 8)

ناپ تول میں کمی بیشی معاشرے پر اس قدر اہم مگر برے اثرات مرتب کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ حقیقت سمجھانے کے لیے قرآن مجید میں ایک سورۃ ہی المطفّفین کے نام سے نازل کر دی۔ فرمایا:

﴿وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ ۝ وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوْ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ .... لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾

''تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے جن کا حال یہ ہے کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں، اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو انہیں گھاٹا دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ایک بڑے دن یہ لوگ اٹھا کر لائے جانے والے ہیں؟ اس دن جب کہ سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔'' [83:1 تا 6]

مطففین، تطفیف سے مشتق ہے اور اصطلاحاً اس سے مراد ناپ تول میں چوری چھپے کمی کرنا ہے۔ ترازو میں ڈنڈی مارنے والے چوری چھپے ہی یہ کام کرتے ہیں اور گاہک کو معلوم نہیں ہوتا۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں کہ وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ کی آیت صرف خبر نہیں ہے بلکہ اس کے اندر لعنت اور پھٹکار کا مضمون بھی مضمر ہے، تطفیف کے معنی ناپ تول میں کمی کرنے کے ہیں یعنی جو لوگ ناپ اور تول میں کمی کرنے والے ہیں ان کے لیے تباہی اور ان پر خدا کی مار اور پھٹکار ہے۔ لوگ چونکہ ڈنڈی مارنے کو زیادہ اہم اور کوئی بڑا گناہ نہیں سمجھتے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسی سورت میں

اس معاملے کی اہمیت اُجاگر کرنے کے لیے مزید فرمایا:

''ہر گز نہیں، فاجروں کے اعمال نامے سجّین (قید خانے کا دفتر) میں ہوں گے اور تم کیا جانو سجّین کیا ہے، لکھا ہوا دفتر (یعنی کتاب یا رجسٹر) تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے جو روز جزا کو جھٹلاتے ہیں۔ اس کو تو وہی جھٹلاتے ہیں جو تعدی اور حق تلفی کرنے والے ہوتے ہیں''۔(المطفّفین:7 تا 12)

یعنی ڈنڈی مارنے والے یہ نہ سمجھ لیں کہ حساب کتاب اور جزا کا مرحلہ آنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زور دے کر بتلایا ہے کہ یہ مرحلا لازماً آنا ہے اور ڈنڈی مار کر لوگوں کے جو مال اور حقوق وہ غصب کریں گے، اس روز ان کا حساب دینا پڑے گا۔

سورۂ الانعام میں مختلف معاشرتی برائیوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ناپ تول کے بارے میں فرمایا: ''اور ناپ تول میں پورا پورا انصاف کرو'' (6:152)۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: ''پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو، اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو، یہ اچھا طریقہ ہے اور بلحاظ انجام بھی یہی بہتر ہے'' (17:35)۔ سورۂ الشعریٰ میں فرمایا: ''پیمانے ٹھیک بھرو اور کسی کو گھاٹا نہ دو۔ صحیح ترزو سے تولو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو، زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو اور اس ذات کا خوف کرو جس نے تمہیں اور گزشتہ نسلوں کو پیدا کیا۔'' (26: 182 تا 184)۔ سورۂ الحدید میں رسولوں کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں'' (57:25)۔ میزان عدلیہ کی ہو یا دکاندار کی کسی میں بھی ڈنڈی مارنے سے انصاف کا قتل ہوگا، انصاف کا قتل ہی ظلم ہے اور ظلم فساد کو جنم دیتا ہے۔ میزان یعنی ترازو انصاف کی علامت ہے اسی لیے عدلیہ کی عمارتوں پر ترازو بنی ہوتی ہے۔ کسی کو بھی اس ترازو میں ڈنڈی مارنے کی اجازت نہیں ہے۔

توحید کی تعلیم تو ہر نبی نے دی اور جس زمانہ میں جو نبی آیا، اس زمانے کی کسی خاص برائی کو بھی اس نے اپنی دعوت کا نشانہ بنایا مثلاً حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں ''بدفعلی'' کی برائی تھی۔ تمام تر سمجھانے کے باوجود جب اس قوم نے اس غیر فطری فعل کو نہ چھوڑا تو اسے عذاب الٰہی نے آلیا۔ اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام مدین والوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ یہ قوم تجارت پیشہ تھی اور شرک کے ساتھ ساتھ تطفیف یعنی ناپ تول میں کمی کی برائی میں مبتلا تھی۔ تجارت کسی بھی معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، ریڑھ کی ہڈی کا نقص ٹانگوں سمیت کئی دوسرے حصوں کو بھی مفلوج کر

سکتا ہے۔ جب تجارت میں گڑبڑ یعنی ڈنڈی ماری جائے گی تو معاشرہ بھی بگاڑ اور فساد کا شکار ہو جائے گا۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم جو ناپ تول میں ڈنڈی مارنے میں مبتلا تھی کا قصہ قرآن کی زبان میں ملاحظہ فرمائیں، یہ قصہ سورہ الاعراف اور سورہ ہود میں بیان ہوا ہے۔ سورۃ الاعراف میں ہے:

''اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا: ''اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی صاف رہنمائی آ گئی ہے لہٰذا وزن اور پیمانے پورے کرو، لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو، اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہو، اسی میں تمہاری بھلائی ہے، اگر تم واقعی مومن ہو۔ اور (زندگی کے) ہر راستے پر رہزن بن کر نہ بیٹھ جاؤ کہ لوگوں کو خوف زدہ کرنے اور ایمان لانے والوں کو خدا کے راستے سے روکنے لگو اور سیدھی راہ کو ٹیڑھا کرنے کے درپے ہو جاؤ...... اور آنکھیں کھول کر دیکھو دنیا میں مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے۔'' (7:85 تا 86)

یہ قصہ مزید آگے چلتا ہے اور بالآخر شرک اور ناپ تول کی کمی میں مبتلا اس قوم کو عذاب الٰہی دبوچ لیتا ہے: ''ہوا یہ کہ ایک دہلا دینے والی آفت نے ان کو آ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے۔ جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا وہ ایسے مٹے کہ گویا کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے، شعیبؑ کے جھٹلانے والے ہی آخرکار برباد ہو کر رہے۔'' (7:91،92)

''اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، اس نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ آج میں تم کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں مگر مجھے ڈر ہے کہ کل تم پر ایسا دن آئے گا جس کا عذاب سب کو گھیر لے گا اور اے برادرانِ قوم! ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ اللہ کی دی ہوئی بچت تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور بہر حال تمہارے اوپر کوئی نگران نہیں ہوں۔'' انہوں نے جواب دیا: ''اے شعیب! کیا تمہاری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں سے اپنی منشا کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟ بس تو ہی ایک عالی ظرف اور راستباز آدمی رہ گیا ہے'' (ہود: 84 تا 86) اس سورۃ میں بھی اس داستان کی مزید

تفصیل اگلی آیات میں بیان کی گئی ہے اور آخر میں بتایا گیا ہے: ''سنو! مدین والے بھی دور پھینک دیے گئے جس طرح ثمود پھینکے گئے تھے۔'' (ہود: 95)

آپ نے دیکھا کہ ناپ تول میں کمی کے باعث ایک قوم عذابِ الٰہی کا شکار ہو کر ہمیشہ کے لیے مٹ گئی۔ آج اپنے اردگرد دیکھیں کہ کیا صورت حال ہے۔ دودھ بیچنے والے گوالے کے پاس جائیں، اگر وہ ایماندار ہے اور دودھ میں پانی نہیں ملاتا تو ''جھاگ'' کے ذریعے دودھ کم کر دیتا ہے۔ ایک لٹر دودھ گھر میں آ کر پون لٹر رہ جاتا ہے۔ شیر فروش کی دکان پر جائیں گے تو وہ گڑوی کے ذریعے ایسے ڈنڈی مارے گا کہ آپ کو دودھ پورا نہ مل پائے گا۔ مرغی کا گوشت بیچنے والوں کا حال سب سے بدتر ہے۔ گزشتہ دنوں ایک دکان سے 17 کلو گوشت خریدا اور گھر آ کر وہ تیرہ کلو بھی نہ نکلا، برادرم ملک احمد سرور صاحب نے مجھے بتایا کہ انہوں نے ''بسم اللہ پولٹری'' کے نام سے ایک دکان سے سات کلو گوشت خریدا، دوسری جگہ جا کر تولا تو ساڑھے چار کلو تھا۔ نان فروش 150 گرام والا جو نان دیتے ہیں وہ بمشکل 125 گرام ہوتا ہے اور عید کے ایام میں 100 گرام رہ جاتا ہے۔ کپڑے کی دکانوں پر جائیں تو میٹر کا بھاؤ کر کے اکثر گز سے ناپ دیتے ہیں۔ سیمنٹ کا کاروبار کرنے والے اکثر دکاندار 50 کلو سیمنٹ کی بوری سے کسی سپیشل تکنیک سے چار پانچ کلو سیمنٹ نکال لیتے ہیں۔ اکثر گاہکوں کو تو پتہ ہی نہیں چلتا، اگر کسی کو چل بھی جائے تو کہہ دیتے ہیں کہ فیکٹری ہی سے بوری ایسی آئی تھی۔ لاہور ریلوے اسٹیشن پر پھل بیچنے والے دو طریقوں سے دھوکا دیتے ہیں، ایک ترازو کے ذریعے کم تول کر اور دوسرا طریقۂ واردات ان کا یہ ہے کہ خراب پھل پہلے سے سیاہ شاپروں میں ڈال لیتے ہیں، جونہی آپ کی نظر ادھر اُدھر ہوئی شاپر بدل گیا۔ گھر آ کر آپ حیران پریشان ہو جاتے ہیں کہ میں نے تو صاف ستھرا پھل ڈالا تھا، یہ خراب کیسے نکل آیا۔ یہ کام وہ قوم کر رہی ہے جس کے ہر گھر میں قرآن مجید ہے اور جس میں ناپ تول میں کمی کے باعث حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی تباہی کا ذکر ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ نے انتباہ کیا ہے: ''وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِينَ''۔

☆......☆......☆

ملک احمد سرور

اسلام میں محنت کشوں کا معاشرتی مقام

محنت کشوں کی عظمت بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''نہیں کھایا کسی نے کبھی کوئی کھانا جو بہتر ہو اس کھانے سے جو اپنے ہاتھ کی محنت سے کما کر کھائے اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتے تھے۔'' (بخاری)

حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ رزق حلال کے لیے محنت کرنے والے محنت کش کو اللہ کے رسولؐ نے نماز روزے میں مصروف عابد و زاہد سے افضل قرار دیا ہے۔ دو صحابیؓ اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پوچھنے پر انہوں نے اپنے ساتھی کے بارے میں نبی کریم ﷺ کو بتایا: ''یہ ہر وقت نماز پڑھتا رہتا ہے، مسلسل روزے رکھتا ہے اور مسلسل روزوں کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہوگئی ہے۔'' آپؐ نے پوچھا: ''اس کے اونٹ کون چراتا ہے اور اس کے اہل وعیال کی کفالت کون کرتا ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: ''ہم لوگ۔'' آپؐ نے فرمایا: ''تم اس سے زیادہ عبادت کرنے والے ہو۔'' ندائے منبر و محراب کے مؤلف مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب نے نبی کریم ﷺ کا ایک فرمان نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ بعض گناہ ایسے ہیں جو دوسری عبادتوں سے بھی معاف نہیں ہو سکتے لیکن جب ایک آدمی رزق حلال کی تلاش میں پریشان رہتا ہے تو اس کے وہ ناقابل معافی گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

محنت کش کا ایک اسلامی معاشرے میں مقام اس قدر بلند ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے ایک محنت کش کے کھردرے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اسد الغابہ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور پاک ﷺ سے مصافحہ کیا تو نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ ان کی ہتھیلی کھردری اور داغدار ہے۔ پوچھنے پر حضرت جابرؓ نے بتایا: ''یارسول اللہ، میں نعل بندی کرکے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔'' یہ سن کر حضور ﷺ نے ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور فرمایا: ''یہ وہ ہاتھ ہے جسے آگ نہیں چھو سکتی۔''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کے بارے میں بھی ایسا ہی واقعہ ملتا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل لکڑیاں کاٹتے تھے۔ ان کا ہاتھ چوم کر آپؐ نے تین بار فرمایا: ''یہ ایسا ہاتھ ہے جس تک دوزخ کی آگ کبھی نہ پہنچے گی۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ صحابی تھے، عابد وزاہد، مجاہد اور قاری تھے مگر ان کے ہاتھوں کو نماز، روزے اور زہد وتقویٰ کی وجہ سے نہ چوما گیا، بلکہ انہیں یہ سعادت محنت کشی کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اجرت پر ایک یہودی عورت کے لیے کنوئیں سے پانی نکالنے کا کام کیا جس سے ان کے ہاتھ پھٹ گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے ان کی تعریف فرمائی۔ اسلام میں محنت کش کے بلند مقام کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ نبی کریمؐ خود محنت کش تھے، انہوں نے اجرت پر کفار مکہ کی بکریاں چرائیں اور جنگ خندق کے موقع پر ایک مزدور کی طرح خندق کھودی۔ آپؐ کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیگر انبیاء علیہم السلام بھی محنت کر کے روزی کماتے تھے مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی اور کپڑا بنانے کا کام کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے دنیا کی پہلی کشتی بنائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام آہن گر تھے اور زرہیں بناتے تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام درزی کا کام کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گلہ بانی کی۔ تاریخ اسلام کے چند نامور مشاہیر کے بارے میں بھی جان لیجئے:

۱: خطیب بغدادی جیسے عظیم محدث کے استاد حضرت ابوعلی دھان تیل فروش تھے۔

۲: حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاری کے استاد حسن ربیع کوفی بوریے بیچتے تھے، اس لیے ان کا لقب ہی بواری پڑ گیا تھا۔

۳: ابوعبداللہ حبیب اور عبدالعزیز بن موسیٰ جن کا اہل علم میں بہت بلند مقام ہے، قصاب تھے۔

۴: علوم نبوت کے وارث اور مبلغ علامہ ابوحمزہ اور علامہ ابوالحسن کپڑا بنتے تھے۔

۵: امام ابن خاضبہؒ، ابوسعید نحوی اور ابن طاہر کتابت کرتے تھے۔

۶: فقہ کی مشہور کتاب مختصر القدوری کے مصنف کا نام اس لیے قدوری پڑ گیا کہ وہ ہنڈیا بناتے تھے۔

غلاموں اور مزدوروں کے حقوق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت پوری دنیا میں انسانوں کی تجارت اور غلامی کا رواج تھا۔ اسلام نے نہ صرف غلامی کو بتدریج ختم کیا بلکہ جب تک غلامی کا سلسلہ باقی رہا غلاموں کو بھی عام انسانوں کی طرح عزت واحترام اور حقوق دیے۔ عیسائی ممالک میں آج اگرچہ قانوناً غلامی ممنوع ہے مگر انسانی تجارت اور غلامی عملاً دونوں موجود ہیں۔ صلیبی دنیا کا سب سے بڑا ہیرو ''کولمبس'' انسانوں کا سب سے بڑا اغوا کار تھا، اس نے ہزاروں افریقیوں کو اغوا کر کے غلام بنایا اور فروخت کیا۔ آج بھی کئی

عیسائی مشنری ادارے یہ کاروبار جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اسلام غلاموں اور مزدوروں کے حقوق کا کس طرح تحفظ کرتا ہے، اس کے لیے ذیل میں ارشادات نبویؐ ملاحظہ فرمائیں:

۱: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''غلام سے اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے'' (مسلم)

۲: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ جیسا تم خود کھاؤ ویسا ہی ان کو کھلاؤ، جیسا خود پہنو ویسا ہی انہیں پہناؤ۔ انہیں اس کام کی تکلیف نہ دو جو ان سے نہ ہو سکے۔'' (متفق علیہ)

۳: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کے لیے اتنا گناہ (دوزخ میں جانے کے لیے) کافی ہے کہ وہ اپنے غلام کو خوراک نہ دے۔'' (مسلم)

۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے خادم نے تمہارا کھانا تیار کرتے وقت گرمی اور دھواں برداشت کیا، جب وہ تمہارے پاس کھانا لائے تو اس کو اپنے ساتھ بٹھاؤ اور کھلاؤ۔ اگر کھانا تھوڑا ہو اور کھانے والے بہت تو اس کے ہاتھ پر ایک یا دو لقمے ضرور رکھ دو۔'' (مسلم)

۵: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص بغیر وجہ کے اپنے غلام کو حد لگائے یا طمانچہ مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کرے۔'' (مسلم)

۶: ابو مسعود رضی اللہ عنہ انصاری سے روایت ہے کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ میں نے اپنی پشت سے آواز سنی: ''اے ابو مسعود خبردار رہو، اللہ تجھ پر تیرے غلام سے زیادہ قادر ہے۔'' میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں رسول اللہ ﷺ تھے۔ میں نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ یہ اللہ کے لیے آزاد ہے۔'' آپؐ نے فرمایا: ''اگر تو اسے آزاد نہ کرتا تو تجھے دوزخ کی آگ جلاتی۔'' (مسلم)

۷: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور پوچھا: ''یا رسول اللہ ﷺ! ہم اپنے لونڈی اور غلاموں کے قصور کتنی بار معاف کریں۔'' آپؐ خاموش رہے، اس نے پھر سوال کیا، اس نے تیسری دفعہ پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ''ایک دن میں ۷۰ بار۔''

۸: حضرت معرور بن سوید فرماتے ہیں: ''میں نے حضرت ابو ذر کو ایک پوشاک پہنے دیکھا۔ اسی

طرح کی پوشاک ان کے خادم نے بھی پہنی ہوئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ان سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: ''میں نے رسول پاکؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ (مزدور وملازم) تمہارے بھائی اور دست نگر ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے قبضے میں دیا ہے لہٰذا تم میں سے جس کے پاس اس کا بھائی زیر تصرف ہو تو اسے چاہیے کہ اسے وہی کھانا کھلائے جو خود کھاتا ہو اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہو، اور اس سے کوئی ایسا کام نہ لے جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ جب ایسا کام لے ہی لو تو اس کی اعانت کر دیا کرو۔'' (بحوالہ ندائے منبر ومحراب، جلد سوم)

۹: مولانا محمد اسلم شیخوپوری اپنی کتاب ندائے منبر ومحراب میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے لیے مزدوری اور کام کاج کرے اور شادی شدہ نہ ہو تو اسے شادی کر لینی چاہیے، اور جس کے پاس گھر نہ ہو تو وہ گھر بنا لے، خادم نہ ہو تو خادم لے، سواری نہ ہو تو سواری لے۔ یعنی اسلام غیر شادی شدہ مزدور کو شادی اور رہائش کا حق دیتا ہے کہ مالک ان سہولتوں کے لیے اس کی مدد کرے۔

۱۰: حضرت عمرؓ کا گزر ایک بار ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو خود کھا رہے تھے مگر ان کے خادم کھڑے انہیں تک رہے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ کو غصہ آ گیا اور زور سے چیخے: ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنے خادموں پر اپنے آپ کو ترجیح دیتے ہیں۔'' پھر خادموں سے فرمایا: ''اپنے سر اٹھاؤ اور اپنے مالکوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاؤ۔'' (بحوالہ ندائے منبر ومحراب)

۱۱: نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ ''مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دے دیا کرو'' مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کی بہترین ضمانت ہے۔ مزدوری کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے روز تین اشخاص کے خلاف میں خود وکالت کروں گا (۱) جس نے میرے ساتھ عہد واقرار کیا، پھر اس نے غداری اور بے وفائی کی (۲) جس نے کسی آزاد کو فروخت کیا اور اس کی قیمت کھائی (۳) جس نے کسی کو مزدوری پر رکھا، پورا کام لیا اور مزدوری نہ دی۔'' (بخاری)

۱۲: مزدور کی مزدوری خوشی سے دینے والا اللہ تعالیٰ کو کس قدر پیارا ہے، اس کا اندازہ ہمیں بنی اسرائیل کے ایک واقعہ سے ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پچھلے زمانے میں تین آدمی کہیں جا رہے تھے، رات کا وقت ہوا اور بارش ہونے لگی تو ان تینوں نے ایک غار میں پناہ لے لی۔ اتفاقاً ایک چٹان گری اور غار کا منہ بند ہو گیا تو ان لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا: ''اس

چٹان سے نجات پانے کا سوائے اس کے اور کوئی ذریعہ نہیں کہ اپنے اپنے نیک اور خالص عملوں کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کریں۔" ان تین اشخاص میں سے ایک مستاجر تھا۔ اس نے دعا کرتے ہوئے کہا: "اے اللہ، میں نے ایک مرتبہ چند مزدوروں سے کچھ کام لیا، سوائے ایک کے سب نے مزدوری لے لی، وہ اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اس کی مزدوری کو کاروبار پر لگا دیا اور اس سے بہت ترقی ہوئی۔ مدت بعد وہ مزدور آیا اور اپنی مزدوری طلب کی۔ میں نے اسے کہا کہ یہ سارے اونٹ، گائے، بیل، بکریاں وغیرہ تیری ہیں۔ مزدور نے کہا: "اللہ کے بندے مجھ سے مذاق نہ کر۔" میں نے کہا کہ مذاق نہیں کر رہا۔ جب اس کو یقین آ گیا تو لے کر چلا گیا۔ اے اللہ، اگر میں نے اس کام کو تیری رضا کے لیے کیا تھا تو اس چٹان کو ہٹا دے تا کہ ہم باہر نکل سکیں۔" چنانچہ چٹان اور ہٹ گئی اور وہ سب باہر نکل آئے (بخاری) اللہ تعالیٰ کو مزدور کی صحیح اجرت دینے کا عمل اس قدر پسند آیا کہ اپنے بندے کی دعا فوراً قبول کر لی۔

اسلام میں کوئی بھی پیشہ (سوائے ان کے جو اللہ نے حرام قرار دیے ہیں) حقیر نہیں، اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء علیہم السلام کو مختلف پیشوں سے وابستہ کر کے ہر پیشے کو تکریم دی۔ یہ شیطان اور صلیبی تھے جنہوں نے محنت کشوں کے پیشوں کو حقارت کا درجہ دیا۔ برصغیر میں انگریز صلیبی آئے تو انہوں نے اپنے ایجنٹ زمینداروں اور جاگیرداروں کو عزت بخشنے کے لیے لوہاروں، ترکھانوں، جولاہوں، موچیوں وغیرہ کے پیشوں کو حقیر قرار دے کر ان پیشوں سے وابستہ افراد کو "کمیں" کے لقب، سے نوازا۔ ان پیشوں کو تحقیر کا نشانہ بنانے کا مقصد مسلمانوں کو زوال کی طرف دھکیلنا تھا اور انگریز اس میں کامیاب رہے۔ عیسائیت مسلمانوں کے دل و دماغ میں اس قدر گھر کر چکی ہے کہ آج بھی ان پیشوں سے وابستہ افراد کو "کمیں" کہا جاتا ہے اور بدقسمتی سے ان افراد نے بھی انگریزوں کے دیے ہوئے اس سٹیٹس کو قبول کر رکھا ہے۔ ان افراد کے لیے جنہوں نے "کمیں" سٹیٹس کو قبول کر رکھا ہے ذیل میں ایک اہم واقعہ درج کیا جا رہا ہے:

معروف عالم و سکالر اصمعی کا گزر ایک موچی کے پاس سے ہوا جو سر راہ بیٹھا لوگوں کے جوتے گانٹھ رہا تھا اور یہ شعر پڑھ رہا تھا ؎

وَاکـرِم نَـفـسِـی انّـنـی اِن اَهـنـتُهَـا
وحَـقّك لـم تـكـرم عَلی اَحَد بعدی

(باقی صفحہ نمبر 10 پر ملاحظہ فرمائیں)

طالب الہاشمیؒ

دو قابلِ رشک انسان

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو شخص قابل رشک ہیں: ایک وہ جس کو اللہ نے مال عطا فرمایا ہو وہ اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کر رہا ہو، دوسرا وہ جسے اللہ نے علم و حکمت سے نوازا ہو، وہ خود بھی اس پر عمل کرتا ہو اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہو۔

اس حدیث پاک میں انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور اشاعت علم و حکمت کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ایک صاحب حیثیت مسلمان اگر واجب زکوۃ دینے کے علاوہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جائز ضروریات پوری کرے، رشتہ داروں، ہمسایوں، غریبوں، مسکینوں، بیواؤں، یتیموں اور حاجت مندوں کی مدد کرے، مجاہدین کی اعانت کرے، سامان جہاد کی فراہمی میں حصہ لے، رفاہِ عام کے کاموں میں شریک ہو، نادار قرض داروں کا قرض معاف کر دے یا ان کا قرض خود ادا کر دے تو یہی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا یا انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ قرآن حکیم میں جگہ جگہ انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید کی گئی ہے اور اس کے لیے بے حد وحساب اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ بعض صورتوں میں اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کے علاوہ غریبوں کی امداد کے لیے کئی دوسرے صدقات بھی واجب قرار دیے تاکہ دولت ہر طبقہ میں گھومتی رہے۔ مشکل اور مصیبت کے وقت غریبوں کی امداد لازم قرار دی یہاں تک کہ اپنی ضرورت کے سوا سب کچھ غریبوں کے لیے تج دینے کا حکم دیا۔ سورۃ البقرہ میں حضور ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۥ قُلِ الْعَفْوَ﴾ ”یعنی آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کون سا مال خرچ کریں، کہہ دیں کہ جو ضرورت سے زیادہ ہے۔“

یہاں انفاق فی سبیل اللہ کی عمومی صورت بیان کی گئی ہے۔ اگر کوئی شخص دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دے تو یہ ایثار ہے جو انفاقِ فی سبیل اللہ کی سب سے اعلیٰ صورت ہے۔

سرور عالم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس کوہِ احد کے برابر بھی سونا ہو تو مجھے یہ پسند نہیں کہ تیسرے دن تک اس میں سے ایک اشرفی کے برابر بھی میرے پاس بچ رہے۔ میں اس مال کو

دونوں ہاتھوں سے مخلوقِ خدا میں تقسیم کر کے رہوں گا۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ کی بکریوں کا ریوڑ دیکھ کر ایک شخص نے اپنی ضرورت پیش کی۔آپ نے تمام ریوڑ اُس شخص کو بخش دیا۔اُس شخص نے اپنے قبیلے میں جا کر کہا:

''محمد اس قدر دریا دل ہیں کہ راہِ خدا میں دیتے وقت اپنے مفلس ہو جانے کا مطلق خیال نہیں کرتے۔''

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو راہِ حق میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گھر کا تمام اثاثہ سوئی سلائی سمیت لا کر حضور ﷺ کے قدموں پر ڈھیر کر دیا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے گھر کا نصف سامان حاضر کر دیا۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ہزاروں اشرفیوں کے علاوہ سینکڑوں اونٹ نکیل و پالان سمیت پیش کیے۔دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی کسی مالی قربانی سے دریغ نہ کیا حتیٰ کہ خواتین نے اپنے زیور تک اتار کر راہِ خدا میں دے دیے۔جب سورۃ آل عمران کی آیت ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ ''یعنی تم کبھی نیکی حاصل نہ کر سکو گے جب تک تم ان چیزوں کو جو تمہیں عزیز ہوں، راہِ خدا میں صرف نہ کر دو گے۔'' نازل ہوئی تو اصحابِ رسول ﷺ نے اپنی قیمتی سے قیمتی جائدادیں اور اموال راہِ خدا میں لٹا دیے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدائن کے گورنر تھے، پانچ ہزار ماہانہ وظیفہ مقرر تھا لیکن جونہی وظیفہ ملتا وہ اُسے مساکین میں تقسیم کر دیتے اور اپنی ضروریات چٹائی بن کر پوری کرتے۔یہی عادت حمص کے گورنر حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کی تھی۔غرض ایسی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت عالم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ایک افضل عبادت کی حیثیت رکھتا تھا۔اسی لیے حضور ﷺ نے راہِ خدا میں مال خرچ کرنے والے کو قابل رشک انسان قرار دیا ہے۔دوسرا قابل رشک آدمی آپ کے نزدیک وہ صاحب علم وحکمت ہے جو خود بھی اس پر عمل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہے۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر ویسی ہے جیسی میری فضیلت امت پر۔ حضور ﷺ نے حصول علم کو ہر مسلمان کا فریضہ قرار دیا ہے اور تعلیم وتعلم کو عبادت سے بھی افضل قرار دیا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں دو حلقے دیکھے، ایک حلقہ یادِ خدا میں مشغول تھا اور دوسرا مسائل دین کی تعلیم وتعلّم میں، آپ نے

فرمایا: دونوں حلقے اچھے ہیں لیکن دوسرا پہلے سے افضل ہے کہ اس میں شامل لوگ خود بھی علم سیکھتے ہیں اور بے علموں کو سکھاتے ہیں، میں خود بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ فرما کر آپ دوسرے حلقے میں شریک ہوگئے۔ حضور ﷺ نے علم کے ساتھ عمل کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: مبارک ہے وہ بندہ جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے اور ضرورت سے زائد مال راہِ خدا میں خرچ کر دیتا ہے۔ جس علم سے کسی کو نفع نہ ہو آپ ایسے علم سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ جس عالم کے علم سے اس کی اپنی ذات کو بھی نفع نہ ہو قیامت کے دن اسے سخت عذاب ہوگا۔ قرآنِ حکیم میں بے عمل عالم کو اس گدھے کی مانند قرار دیا گیا ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔ سورۃ جمعہ کی آیت ﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ حکمت بھی علم ہی کی ایک شاخ ہے اور اس کا اطلاق کتاب اللہ کی تعلیمات پر بھی ہوسکتا ہے اور دانائی کی اُن تمام باتوں پر بھی جو حضور ﷺ لوگوں کو اس ارشادِ ربانی کے مطابق سکھاتے تھے:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ (النحل:۱۲۵)

''یعنی لوگوں کو راہِ حق کی طرف حکمت اور عمدہ پند و نصیحت سے بلایئے۔''

آپؐ فرمایا کرتے تھے، حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے۔ ایک اور حدیث میں آپ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ مسلمان اپنے بھائی مسلمان کو سب سے بہتر جو فائدہ پہنچا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ جو اچھی بات سنے اسے بھی سنا دے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حکمت عزت دار آدمی کو اور زیادہ عزت بخشتی ہے اور غلام کو بلند کرتے کرتے تخت شاہی پر بیٹھا دیتی ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حکمت سے مراد اللہ کی اطاعت، دین میں تفقہ اور اس پر عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم میں سے ہر مالدار کو راہِ خدا میں بے دریغ خرچ کرنے اور ہر صاحب علم و حکمت کو اس پر عمل کرنے اور دوسروں کو سکھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆......☆......☆

دعائے صحت

ماہنامہ چشم بیدار کے سرپرست اعلیٰ شیخ آصف احمد صاحب کی اہلیہ محترمہ کافی عرصے سے علیل ہیں، تمام قارئین سے درخواست ہے کہ ان کی مکمل صحت یابی کے لیے دعا کریں، شکریہ